تاریخ ہزارہ (مغل)

ابتکار کتاب فروشی
Initiative Book Sellers
مرکز پخش کتب انگلیسی و فارسی
A. Fikrat
علی فکرت

تالیف

ل۔ تیمور خانوف

ترجمہ

حسن رضا چنگیزی

ناشر

موسسۂ فرہنگی ہزارہ

اردو ایڈیشن کے جملہ حقوق بحق مترجم محفوظ

اشاعت ــــــــــــــــــ مئی ۱۹۹۲ء

تعداد ــــــــــــــــــ ایک ہزار

سرورق ــــــــــــــــــ رمضان شاد

ناشر ــــــــــــــــــ موسسۂ فرہنگی ہزارہ

قیمت ــــــــــــــــــ -/۱۸۰ روپے

ملنے کا پتہ

مغل سٹیشنری علمدار روڈ کوئٹہ

فہرست

مضامین		صفحہ نمبر
۱۔ تعارف	ڈاکٹر مبارک علی	۱
۲۔ پیش لفظ	حسن رضا چنگیزی	۵
۳۔ پہلا باب		
☆ ہزار قوم کا تاریخی پس منظر		۱۵
۴۔ دوسرا باب		
☆ جغرافیائی محل وقوع۔ ہزارہ قوم کی معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالت		۳۹
☆ پیشے زراعت۔ صنعت۔ تجارت		۴۶
☆ ہزارہ جات کی معاشی اور معاشرتی حالت		۵۶
☆ کابل۔ قندھار۔ ہرات۔ اور شمالی علاقوں کی جاگیردار حکومتیں اور ہزارہ جات		۸۱

مضامین	صفحہ نمبر
۵۔ تیسرا باب	
☆ ہزارہ جات کی قومی تحریکیں (انیسویں صدی کے آواخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں)	۹۹
☆ انیسویں صدی کی آٹھویں دہائی میں ہزارہ قومی تحریکیں	۱۰۴
☆ آزاد ہزارہ جات کی تسخیر اور ہزارہ قوم کی جدید تحریکیں	۱۱۰
☆ ۹۳ - ۱۸۹۲ء کی شکست کے اسباب	۱۴۱
☆ ۹۳ - ۱۸۹۲ء کی شورش کے بعد کابل حکومت کی سیاست	۱۴۳
☆ ہزارہ جات ۹۳ - ۱۸۹۲ء کی شورش کے بعد	۱۴۷
۶۔ اختتامیہ۔	۱۵۵
۷۔ کتابیات۔	۱۵۹

تعارف

دنیا کی اقوام میں اب آہستہ آہستہ تاریخ سے دلچسپی بڑھتی جا رہی ہے اور اس دلچسپی کے نتیجہ میں ان میں یہ شدید خواہش پیدا ہو رہی ہے کہ وہ تاریخ میں اپنے لئے ایک نمایاں مقام حاصل کریں تاریخ وہ واحد علم ہے جو کسی قوم کو اس کی شناخت کے ذرائع پیش کرتا ہے جس قدر قوم اپنی شناخت کو مضبوط کرتی ہے اسی قدر اس میں اعتماد بڑھتا چلا جاتا ہے شناخت کی جڑوں کو مضبوط کرنے کے لئے ہر قوم اپنا کردار تاریخ میں ڈھونڈتی ہے اور تاریخ میں اس کے رول سے اقوام عالم میں اس کی حیثیت متعین ہوتی ہے

تاریخ میں شاندار مقام حاصل کرنے کی غرض سے ان اقوام کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنی تاریخ کے تمام ایسے پہلوؤں کو اجاگر کریں کہ جن کے ذریعے ان کا ہر عظمت ماضی دنیا کے سامنے آئے ان کی جرات و ہمت و بہادری کی داستانیں لوگوں میں مقبول ہوں اور انہوں نے دنیا کی تہذیب میں جو اضافے کئے ہیں ان سے زیادہ سے زیادہ واقف ہو

اقوام کے ساتھ ساتھ اب مختلف نسلی و لسانی گروہ بھی اپنی تاریخی جڑوں کی تلاش میں ہیں اور یہ ایک دلکش اور سنسنی خیز جذبہ ہوتا ہے کہ جب کوئی گروہ اپنے بارے میں نئی نئی دریافتیں کرتا جاتا ہے اور ماضی میں اپنے کاموں سے واقف ہوتا چلا جاتا ہے

ہزارہ قوم کی سیاسی و معاشی اور سماجی تاریخ پر یہ پہلی کتاب ہے کہ جس میں بنیادی ماخذوں کو استعمال کیا گیا ہے اور ان کی مدد سے ان کی تاریخ کو تشکیل دیا گیا ہے یہ صحیح ہے کہ تاریخ میں کوئی قوم اور گروہ اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا ہے کہ وہ خالص اور اصلی ہے ہجرت کے عمل سے قومیں اور قبائل آپس میں ملتے ہیں اور اس طرح سے ان کی شناخت اور ان کے نام بھی بدلتے جاتے ہیں

اس عمل میں قومیں اپنی روایات۔اقدار۔رسوم ورواج اور مذہب بھی بدل لیتی ہیں اس لئے اس پہلو سے ہزارہ قوم کی تاریخ انتہائی دلچسپ بن جاتی ہے کہ اس میں کون کون سے دوسرے نسلی گروہ شامل ہوئے اور پھر کس طرح سے انہوں نے اپنے عقائد بدلے جب بھی کسی گروہ یا جماعت کا عقیدہ بدلتا ہے تو اس کے ساتھ اخلاقی اور سماجی روایات مکمل طور پر تبدیل نہیں ہوتیں بلکہ بہت سی پرانی روایات اسی طرح سے برقرار رہتی ہیں اور اکثر اس مذہب اور فرقہ کے عقائد کو قبول کیا جاتا ہے جو ان کے مفادات میں ہوتے ہیں قبیلوں کے تبدیلیٔ مذہب کے عمل میں اکثر یہ ہوا ہے کہ ان کے سرداروں نے اپنی مراعات اور جائداد کے تحفظ کے لئے مذہب کو قبول کیا اور بعد میں ان کی رعایا نے اسے اپنا لیا۔یہی عمل ہزارہ قوم میں ہوا کہ ان میں سے اکثریت شیعہ عقائد رکھتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی انہوں نے بہت سی اپنی پرانی رسومات کو برقرار رکھا ہے مصنف نے ان کی معاشی زندگی کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ بات بھی بتائی ہے کہ چونکہ وہ شیعہ عقائد میں بڑے سخت ہیں اس لئے دوسرے مذاہب اور عقائد کے لوگوں سے وہ رابطہ رکھنا نہیں چاہتے اس وجہ سے ان کے تجارتی رابطے بڑے محدود ہیں کیونکہ غیر شیعہ لوگوں سے وہ کسی طرح کے تعلقات رکھنے کے روادار نہیں

ہزارہ قوم کے کردار کی تشکیل میں ان کے جغرافیائی حالات کا بڑا دخل ہے پیداوار کی کمی اور پیداواری ذرائع پر سرداروں وجاگیرداروں کے قبضے کی وجہ سے عام آدمی معاشی طور پر بڑا پسماندہ ہے جس کی وجہ سے غریب لوگ غلام بنا کر فروخت بھی کئے جاتے ہیں اس طبقاتی فرق کی وجہ سے ہزارہ قوم کے اتحاد اور طاقت میں فرق پڑا۔اور اس لئے جب ان کے ہاں انیسویں صدی میں قومی آزادی کی تحریکیں شروع ہوئیں تو اس میں انہیں اسی وجہ سے ناکامی ہوئی کہ ان تحریکوں کی سربراہی سردار اور جاگیردار کر رہے تھے اور ان کے مقاصد میں عوام کی آزادی اور ان کی فلاح و بہبود کا کوئی پروگرام شامل نہیں تھا اسی لئے کابل

حکومت نے سختی سے ان تحریکوں کو ختم کر دیا جس کی وجہ سے ہزارہ قوم مزید پسماندہ ہو گئی

یہ ایک خوش آئند چیز ہے کہ ہزارہ قوم کی تاریخ پر ایک مستند کتاب لکھی گئی ہے اور اس کا اردو ترجمہ کر کے پاکستان کی تاریخ نویسی میں ایک اہم اضافہ کیا گیا ہے ہزارہ قوم پاکستان کی سرزمین پر رہتی ہے اور یہ ضروری ہے کہ اس قوم کی تاریخ اور ثقافت سے پوری پوری آگاہی ہو کیونکہ یہ تاریخی آگاہی ہی قوموں کے مختلف ٹکڑوں اور جماعتوں کو آپس میں ملائے گی اور اس عمل سے ایک قوم کی تشکیل ہو گی۔

ڈاکٹر مبارک علی

پیش لفظ

زیر نظر کتاب ہزارہ قوم کی تاریخ سے متعلق ہے ہزارہ قوم افغانستان کے مرکز میں واقع وسیع و عریض علاقے ہزارہ جات میں آباد ہے جسے عبدالرحمان خان (۱۹۰۱---۱۸۸۰) نے طاقت کے بل پر افغانستان میں شامل کر لیا تھا ہزارہ قوم کے بارے میں بہت کم تاریخی اسناد اور شہادتیں موجود ہیں ان کی تاریخ سے متعلق کتابیں بھی بہت کم تعداد میں موجود ہیں جن کی اکثریت ایسی ہے جو سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہیں۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ ہزارہ جات دشوار گزار پہاڑی سلسلوں کے درمیان واقع انتہائی پسماندہ علاقہ ہے جہاں لوگوں کو زندگی کی بنیادی ضرورتیں بھی میسر نہیں ذرائع آمد و رفت تو نہ ہونے کے برابر ہیں بہت کم لوگوں کے پاس گھوڑے یا خچر وغیرہ ہیں جبکہ پورے ہزارہ جات میں ایک بھی پکی سڑک نہیں اس کے علاوہ وہاں کا معاشرتی ماحول بھی کچھ اس قسم کا ہے کہ وہاں تک باہر کے لوگوں کی بہت کم رسائی ہوئی ہے اس لئے ہزارہ جات پر جتنی بھی کتابیں لکھی گئی ہیں وہ زیادہ تر کابل ہرات قندھار اور پشاور میں بیٹھ کر لکھی گئی ہیں اس کے علاوہ لکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد ایسے افراد پر مشتمل ہے جو جاسوسی کی غرض سے افغانستان آتے مثلاً برنس (BURNES) الفنٹسن (ELPHINSTONE) میسن (MASSON) بلیو (BELLEW) گرے (GRAY) وغیرہ۔

ان کتابوں میں اس بات کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ ہزارہ قوم کی تاریخ کو مسخ کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا جائے لہذا ان کی غیر جانبداری پر کسی طرح بھی یقین نہیں کیا جا سکتا زیر نظر کتاب ایک روسی محقق اور تاجکی لینن

یونیورسٹی کے اکادمی شرق شناسی(academy of oriental studies) کے پروفیسر تیمور خانوف کی تصنیف ہے

اس کتاب میں جن باتوں پر زیادہ توجہ دی گئی ہے ان میں ہزارہ قوم کی تشکیل ہزارہ جات میں ان کی سکونت زبان مذہب رسم ورواج کے علاوہ وہاں کا مخصوص معاشرتی ماحول اور اس کی بدولت ان کی تجارت کے طریق کار اور وہاں کی معاشی زندگی کا مطالعہ شامل ہے اس کے علاوہ ہزارہ قوم کے مختلف قبائل کا آپس میں رابطہ اور آس پاس کی دیگر طاقتور حکومتوں سے ان کے مراسم پر بھی کافی بحث کی گئی ہے لیکن ہزارہ قوم کی دیگر حکومتوں کے ساتھ مراسم کے حوالے سے جو بات زیادہ اہمیت رکھتی ہے وہ عبدالرحمان کا ہزارہ جات پر حملہ اور ہزارہ جات کی تسخیر ہے

عبدالرحمان نے انگریزوں کی مدد سے ہزارہ جات پر انیسویں صدی کی آخری دہائیوں کے دوران قبضہ کر لیا جو کہ اس سے پہلے مختلف آزاد اور خود مختار علاقوں میں منقسم تھا اور ان علاقوں پر وہاں کے جاگیردار حکومت کرتے تھے جن کو وہاں کے مطلق العنان حکمرانوں کی حیثیت حاصل تھی وہ اپنے داخلی معاملات میں مکمل خود مختار تھے بعض جاگیردار اپنی ہمسایہ حکومتوں مثلاً کابل ہرات اور قندھار وغیرہ کے ساتھ اتحاد بھی کر لیتے تھے لیکن وہ اپنے داخلی معاملات میں ہمیشہ خود مختار رہے لیکن جب عبدالرحمان نے انگریز سامراج کی پشت پناہی میں ہزارہ جات پر قبضہ کر لیا تو ہزارہ قوم پر ایک نئی مصیبت کا آغاز ہوا حالانکہ اس سے قبل بھی کابل کے حکمرانوں نے ہزارہ جات کو تسخیر کرنے کی کئی کوششیں کیں لیکن وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے لیکن انہوں نے ہزارہ قوم کے اندر بھی اتحاد ویگانگت کی فضا قائم نہ ہونے دی اس مقصد کے لئے انہوں نے ہمیشہ مکروفریب سے کام لیا اور ہزارہ قوم کے مختلف فرقوں اور قبائل کو ہمیشہ آپس میں دست وگریبان کئے رکھا لیکن وہ ہزارہ جات کی تسخیر کی خواہش دل میں لے کر اس دنیا سے چلے گئے عبدالرحمان خان کو بھی

اپنے پیشروؤں کی طرح انگریزوں کی آشیرباد حاصل تھی اور وہ بھی اپنے پیشروؤں کی طرح انگریزوں کی غلامی میں پیش پیش تھا لہذا اس نے انگریزوں کے نام اپنے ایک خط میں لکھا "میری دعا ہے کہ خدا وہ دن ضرور لائے جب میں اور میری قوم مل کر آپ لوگوں کی خدمت کریں اگرچہ انگریز سرکار ہماری ان خدمات کی محتاج نہیں لیکن میری دعا ہے کہ خدا وہ دن ضرور لائے"[1]

انگریزوں کی اس درجہ خوشامد کی وجہ یہ تھی کہ عبدالرحمان دراصل انگریزوں کی بدولت اس مقام تک پہنچا تھا کیونکہ انگریزوں کو ہمیشہ سے ایسے لوگوں کی تلاش تھی جو آنکھیں بند کر کے ان کے احکامات پر عمل کریں لہذا انہوں نے عبدالرحمان کو جو تاشقند میں گمنامی کی زندگی بسر کر رہا تھا مسند کابل پر بٹھا دیا اس کے علاوہ انگریز افسروں پر مشتمل مشیروں کی ایک فوج بھی اس کے ساتھ کر دی افغانستان کی مختلف قوموں کی آزادی اور خود مختاری سلب کرنے کی خاطر عبدالرحمان کو بڑی مقدار میں اسلحہ دیا گیا۔یہی نہیں بلکہ انگریز جرنلوں نے متعدد مواقع پر عبدالرحمان کی فوج کے ساتھ مل کر ہزارہ قوم کے خلاف لڑائیوں میں بھی حصہ لیا

عبدالرحمان نے ہزارہ قوم کی آزادی کو سلب کرنے کی خاطر نہ صرف انگریزوں کے اسلحے اور مشورے سے کام لیا بلکہ اس نے ہزارہ قوم کے مختلف قبائل کے درمیان موجود اختلافات اور ہزارہ قوم اور ان کی ہمسایہ اقوام کے مذہبی اختلافات سے بھی فائدہ اٹھایا اس نے ہمیشہ سنی اور شیعہ ہزارہ قبائل کے مذہبی اختلافات سے فائدہ اٹھا کر انہیں دست و گریبان کئے رکھا اس کے علاوہ اس نے شیعہ قزلباشوں اور ایرانی تاجروں کو اس بات پر مامور کیا کہ وہ ہزارہ جات کے اندرونی حالات سے اسے ہمیشہ باخبر رکھیں

دوسری جانب ہزارہ جات کے عوام اپنے جاگیرداروں اور دیگر حاکم طبقات کے ظلم کی چکی میں پستے رہے اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ مذہبی نمائندوں

---

[1] تاج التواریخ (عبدالرحمان) مطبع لاہور صفحہ ۱۴۲

مثلاً ملا وغیرہ نے لوگوں میں یہ مشہور کر دیا تھا کہ حاکموں کی حیثیت اولی الامر کی ہوتی ہے لہذا جس طرح ایک مسلمان پر خدا اور اس کے رسول کی اطاعت لازمی ہے بالکل اسی طرح اولی الامر کی اطاعت بھی ان کا فرض ہے

ہزارہ جات کے اس مخصوص معاشرتی ماحول میں عوام کی حیثیت غلام کی سی ہوتی تھی جاگیردار ان کے ساتھ کوئی بھی سلوک کر سکتے تھے مختلف بہانوں سے انھیں گرفتار کر کے فروخت کر دیا جاتا تھا انہیں وحشت ناک سزائیں دی جاتی تھیں لہذا جب عبدالرحمان نے ہزارہ جات پر حملہ کیا تو عوام کی بڑی تعداد نے اس کے خلاف مزاحمت نہیں کی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ عبدالرحمان کے آنے سے وہ اپنے مقامی جاگیرداروں کے مظالم سے نجات پائیں گے دوسری جانب بعض ایسے ہزارہ امراء بھی تھے جنکو صرف اپنا مفاد عزیز تھا لہذا انہوں نے عبدالرحمان کی معاونت کی اور اس کے شانہ بشانہ ہزارہ قوم کے خلاف لڑائیوں میں حصہ لیا اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اگر مقامی جاگیردار اور خوانین اپنے مفادات کی خاطر عبدالرحمان کی معاونت نہ کرتے تو اس کے لئے ہزارہ جات پر قبضہ کرنا ناممکن ہوتا لیکن عبدالرحمان نے اپنے پیشرؤں کی طرح ہمیشہ مکر وفریب سے کام لیا اس طرح بعض ہزارہ خوانین کی ملی بھگت سے اس نے ہزارہ جات کو تسخیر کرنے میں کامیابی حاصل کرلی جس کے بعد ہزارہ قوم پر ظلم وجور کا نیا سلسلہ شروع کیا گیا لاکھوں کی تعداد میں ہزارہ خاندانوں کو ان کی زمینوں سے بے دخل کرنے کے بعد وہاں افغان خانہ بدوشوں (کوچیوں) کو آباد کیا گیا ہزارہ قوم کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے ہزارہ جات کو مختلف ایسے انتظامی ڈھانچوں میں تبدیل کیا گیا جہاں وہ اقلیت میں تبدیل ہو کر رہ گئی انہیں تعلیم اور تہذیب سے ہر ممکن دور رکھنے کی کوشش کی گئی اور ہزارہ قوم پر اتنے مظالم ڈھائے گئے کہ وہ بڑی تعداد میں اپنے آباواجداد کی سرزمینوں کو ترک کرنے اور مختلف ممالک کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئی

زیر نظر کتاب ہزارہ قوم کی تشکیل سے لے کر عبدالرحمان خان کے دور

تک کا احاطہ کرتی ہے اس کتاب کی ایک خوبی جو اسے دیگر تاریخی کتابوں سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ ہزارہ جات اور ہزارہ معاشرے پر ایک خاص طبقاتی نقطہ نظر سے تحقیق کی گئی ہے جس کی روشنی میں ہزارہ معاشرے کے حقیقی خدوخال کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے اس کے علاوہ انیسویں صدی کی آخری دہائیوں کے دوران برپا ہونے والی ہزارہ قومی تحریکوں کی شکست کے اسباب بھی کھل کر سامنے آتے ہیں لہذا اس کے باوجود کہ یہ کتاب ہزارہ قوم کی پوری اور مکمل تاریخ کی عکاسی نہیں کرتی ہم اسے ہزارہ قوم کی تاریخ پر مبنی ایک مستند کتاب کہہ سکتے ہیں جس میں ان کی معاشرتی اور معاشی اقدار کی خوبصورت اور جداگانہ نقطہ نظر سے عکاسی کی گئی ہے

اس کتاب کی تیاری میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے ان میں ملا فیض محمد خان کی کتاب سراج التواریخ زیادہ اہم ہے فیض محمد خاں امیر عبدالرحمان کی امارت کے دوران (۱۹۰۱--۱۸۸۰) اس کا کاتب تھا جبکہ عبدالرحمان کے بیٹے امیر حبیب اللہ خاں نے بھی فیض محمد خاں کو اپنا سیکرٹری مقرر کیا جن کے کہنے پر فیض محمد خاں نے سراج التواریخ لکھنا شروع کی مذکورہ کتاب چار جلدوں پر مشتمل ہے جن میں زیادہ تر افغانستان کی افغان ہزارہ قوم کے تعلقات کا ذکر ہے لیکن چونکہ فیض محمد خان امیر کا ملازم تھا لہذا اس نے بھی کئی مواقع پر امیر کی جانبداری کا مظاہرہ کیا ہے مثلاً اس کا یہ کہنا کہ امیر کی فوج نے جنگوں کے دوران کبھی شکست نہیں کھائی حقیقت پر مبنی نہیں لیکن بعض محدود خامیوں کے باوجود ملا فیض محمد ہزارہ کی اس کتاب کو ہزارہ قوم کی تاریخ سے متعلق مستند ترین کتاب ہونے کا شرف حاصل ہے اس میں ہزارہ قوم پر عبدالرحمان کے مظالم کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی تیسری اور چوتھی جلد کی ہزاروں کاپیاں حبیب اللہ خان کے دور میں نذر آتش کر دی گئیں

اس طرح ایک دوسری کتاب کلیات ریاضی ہے جس کے مصنف کا نام

محمد یوسف ریاضی ہے یہ کتاب ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی مصنف کا تعلق ہرات سے تھا اور خود کو ہزارہ کہتا تھا اسی طرح محمد عظیم بیگ کی کتاب ہزارستان سے بھی معلومات حاصل کی گئیں (مکمل تفصیلات کتاب کے آخر میں دی گئی ہیں)

تیمور خانوف کی اس کتاب کے روسی سے فارسی میں اب تک دو ترجمے شائع ہو چکے ہیں پہلی بار ۱۹۸۰ء میں کوئٹہ سے اور دوسری بار ۱۹۸۹ء میں کابل یونیورسٹی کے توسط سے کابل میں اس کا فارسی سے اردو میں ترجمہ میں نے کرنے کی کوشش کی ہے اس کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ اردو زبان میں ہزارہ قوم کی تاریخ سے متعلق کوئی کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی اس لحاظ سے اس کتاب کو ہزارہ قوم کی تاریخ سے متعلق پہلی اردو کتاب ہونے کا شرف حاصل ہے میں نے اس کتاب کا ترجمہ کرنے میں انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے اور اس بات کی حتیٰ الامکان کوشش کی ہے کہ اپنے ذاتی جذبات اور احساسات کو ہر ممکن علیحدہ رکھوں لہذا میں نے اپنی طرف سے کسی ایسی بات کے اضافے کی کوشش نہیں کی جس کا کتاب کے اصلی مسودے سے کوئی تعلق نہ ہو یا اس سے کسی کی دل آزاری ہو بہرحال تاریخ تو نام ہے گذشتہ کے تلخ و شیریں واقعات و حقائق کا اور ویسے بھی کسی کتاب کے اصل مسودے سے انحراف کرنا بھی خیانت ہے یہ کتاب ہزارہ قوم کی ایک درد بھری داستان بھی کہی جا سکتی ہے اور ایسے کئی المناک اور دردناک واقعات اور حقائق سے بھری پڑی ہے جسے پڑھ کر قاری متاثر ہونے بغیر نہیں رہ سکتا اور یہ مجھے ہی معلوم ہے کہ اس کتاب کا ترجمہ کرتے وقت مجھ پر کیا گذری کئی بار ایسا ہوا کہ ترجمہ کرتے کرتے میرے قلم رک گئے اور میں نے ترجمہ کرنے کا خیال ترک کر دیا لیکن میں مشکور ہوں اپنے ان دوستوں اور ساتھیوں کا جنہوں نے مجھے حوصلہ دیا اور میں اس دردناک تاریخ کو اردو میں منتقل کرنے میں سرخرو ہوا یہ کتاب ہمارے ان جوانوں کے لئے اپنی تاریخ سے آگاہی حاصل کرنے میں یقیناً مددگار ثابت ہوگی جو اپنے ماضی اور اپنی تاریخ سے قطعاً بے خبر ہیں

میں سندھ یونیورسٹی شعبہ تاریخ کے سربراہ ڈاکٹر مبارک علی کا بہت مشکور ہوں جنہوں نے اس کتاب کا تعارف لکھا اس کے علاوہ بلوچستان یونیورسٹی شعبہ اردو کے استاد شرافت عباس اور اپنے دوستوں محمد عالم مصباح اور اسحاق علی محمدی کا بھی ممنون ہوں کہ جنہوں نے اس کتاب کی نوک پلک سنوارنے اور اسے تکمیل تک پہچانے میں میری معاونت کی

حسن رضا چنگیزی

پہلا باب

ہزارہ قوم کا تاریخی پس منظر

مستشرقین نے انیسویں صدی سے قبل ہی ہزارہ قوم کا مطالعہ شروع کر دیا تھا پھر تقریباً ڈیڑھ سو سال کے بعد اس سلسلے میں مختلف آراء کا اظہار کیا گیا میں یہاں مختصراً ہزارہ قوم کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالوں گا

کہا جاتا ہے کہ ہزارہ افغانستان کے اصل باشندوں میں سے ہیں اس نظریے کا بانی ۱۹ ویں صدی کا فرانسیسی محقق جے فیرئر (J.FARRIER) ہے جس کا کہنا ہے کہ ہزارہ قوم سکندر اعظم کے زمانے میں بھی بالکل اسی جگہ آباد تھی جہاں وہ آج بود و باش رکھتی ہے فیرئر اپنے اس نظریے کی تائید میں قدیم یونانی مورخ کورٹس کی ان تحریروں کا حوالہ دیتا ہے جس میں مرکزی افغانستان پر سکندر اعظم کے سرمائی حملوں کا ذکر کیا گیا ہے[1]

فیرئر نے مورخ کی ان تحریروں کا بھی حوالہ دیا ہے جس میں ان اقوام کا ذکر ہے جو ہزارہ قوم کے آباواجداد تصور کئے جاتے ہیں لیکن گذشتہ صدی کے دوران ایک روسی محقق ن۔ خانیکوف (N.KHANIKOV) نے فیرئر کے اس نظریے کو مکمل طور پر مسترد کر دیا[2] جبکہ افغان محققین اور دانشور مندرجہ بالا نظریے کی تائید کرتے ہیں مثلاً مشہور مورخ اور زبان شناش عبدالحئی حبیبی نے ۱۹۵۶ کے رسالے آریانا میں اپنے ایک مقالے کے توسط سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہزارہ افغانستان کے اصلی باشندے ہیں اس کا خیال ہے کہ لفظ ہزارہ دراصل اراکوزی ہوزولا (HOSOLA) سے اخز کیا گیا ہے اور لفظ ہزارہ کا مطلب ہے باسعادت (کیا ہزارہ ایک قدیم لفظ ہے؟) (آریانا کابل) گذشتہ صدی کے بعض مورخوں نے ہزارہ قوم کی مغلوں سے مشابہت کی وضاحت کے لئے انہیں ایک مخلوط قوم قرار دیا ہے مثلاً جے بارلان کے مطابق ہزارہ قوم

---

[1] افغانستان۔ فارس۔ ترکستان اور بلوچستان کا سفر صفحہ ۲۹

[2] ریٹر۔ ایران۔ روس ۱۸۷۴

قدیم باختریوں اور شمالی ایران کے تاتاریوں کے باہمی ازدواج سے وجود میں آئی جو بعد میں اسماعیلی سامانی کے توسط سے ہزارہ جات میں جاگزین ہوئی[1]

گذشتہ صدی کے آغاز میں ہزارہ قوم کے مغل ہونے کے بارے میں مزید نظریات سامنے آئے اس سلسلے میں الفنسٹن[2]۔ برنس[3] اور ومبری خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ ہزارہ قوم ان بہادر اور جنگجو مغلوں کی اولاد ہے جو چنگیز خان کے ساتھ افغانستان آئے تھے[4]

بعد میں ایک انگریز محقق اور دانشور بلیو نے بھی ومبری کے نظریے کی تائید کی یعنی ہزارہ قوم واقعتاً چنگیزی فوج کی اولاد ہے جنہوں نے مرکزی افغانستان کے اصلی باشندوں یعنی فارسی بولنے والوں کو مکمل نابود کر کے وہاں سکونت اختیار کی[5] بلیو نے اپنے نظریے کی تائید میں افغانستان کے مشرقی اور مغربی پاکستان کے بعض شمالی علاقوں کے ناموں کا حوالہ بھی دیا ہے جو لفظ ہزارہ سے ملتے جلتے ہیں مثلاً اٹک کے مشرق میں واقع علاقہ جو ہزارہ کے نام سے مشہور ہے۔ بلیو کے خیال میں مذکورہ علاقے اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ وہ کبھی چنگیز خان کے جنگی ٹھکانوں کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ یاد رہے کہ بلیو کے اس نظریے کی تائید بعض دیگر مغربی محققین مثلاً ای پی فوکس (E-P-FOX) وغیرہ بھی کرتے ہیں[6]۔ لیکن رشید الدین[7]۔ حافظ ابرو اور جوزجانی[8] (JAOZJANI) یہ ثابت کرتے ہیں کہ چنگیز خان یا اس کے کسی پیرو نے ہزارہ جات میں سکونت اختیار کرنے کا کبھی کوئی فرمان صادر نہیں کیا لہذا چنگیز خان کے حملوں کا ہزارہ

---

[1] مرکزی ایشیاء صفحہ ۱۱۸-۱۲۰
[2] سلطنت کابل جلد ۲ صفحہ ۲۳۹
[3] بخارا کا سفر جلد ۲ صفحہ ۲۶۱
[4] مرکزی ایشیاء کی سیاحت صفحہ ۳۲۱ اور ہرات اور اس کے باشندے
[5] افغان اور افغانستان صفحہ ۲۰۴-۲۲۵-۲۲۶ اور افغانستان کی اقوام صفحہ ۱۱۴
[6] افغانستان کا سفر صفحہ ۱۱۹
[7] جامع التواریخ (روسی ترجمہ) صفحہ ۲۲۱-۲۲۲
[8] طبقات ناصری صفحہ ۳۴۵-۳۷۲

قوم کی تشکیل سے محض اتنا ہی تعلق ہے جتنا افغانستان کی دوسری اقوام سے ہے چنانچہ وثوق سے بالکل نہیں کہا جا سکتا کہ ہزارہ قوم چنگیزی سپاہ کی اولاد ہے۔

بہت سے دانشوروں کا خیال ہے کہ ہزارہ قوم کی تشکیل کا نکودری افواج کی مرکزی افغانستان میں منتقلی سے گہرا تعلق ہے مثلاً مشہور محقق بارٹولڈ (BARTHOLD) اپنی تصنیف میں لکھتا ہے کہ پہاڑی علاقوں اور قلعوں کی تسخیر مغلوں کے لئے ایک انتہائی مشکل اور کٹھن کام تھا چنانچہ تمام ملک کی تسخیر کے بعد وہ اپنی فوجوں کی کچھ تعداد ان قلعوں اور پہاڑی علاقوں کی حفاظت کے لئے وہیں چھوڑ گئے جنہوں نے وقت کے ساتھ ساتھ وہاں کے مغلوب باشندوں کی زبان کا اثر قبول کر لیا۔ اسی طرح بعد میں دیگر مغل فوجی دستے بھی ان سے آن ملے جو بالآخر اپنے سربراہ کے نام سے مشہور ہوئے اس سلسلے میں نکودری زیادہ شہرت کے حامل ہیں جو ۱۳ ویں صدی عیسوی کے دوران چغتائی کے دور حکومت میں اس کے نواسے نکودر کے ساتھ وہاں آئے تھے[۱]۔ پروفیسر پطروشفسکی کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ ہزارہ قوم مغل عساکر کی اولاد ہے[۲]۔ ایران اور دیگر علاقوں کے مغلوں کے بارے میں دستیاب ذرائع سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مغلوں کی عظیم کامیابیوں اور فتوحات کے بعد ہی ہزارہ قوم کی تشکیل ہوئی[۳]۔

گذشتہ صدی کے بعض محقق اور دانشور ہزارہ قوم کو مغلوں اور ترکوں کی مخلوط نسل قرار دیتے تھے۔ مثلاً بی۔ای۔ڈارون کے مطابق ۱۳ ویں اور ۱۵ ویں صدی کے دوران مغل اور ترک سیلاب کی مانند افغانستان کے مرکزی علاقوں کی طرف آئے جن کے باہمی ازدواج سے ہزارہ قوم وجود میں آئی اس سلسلے میں منکو قآن اور اس کے بعد ارغون خان کے زمانے (۹۱۔۱۲۸۴) کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے[۴]۔

---

[۱] ایران کی جغرافیائی تاریخ صفحہ ۵۵
[۲] ایران میں زراعت صفحہ ۴۲
[۳] ایران میں زراعت صفحہ ۴۱۔۴۲
[۴] تاریخ افغانی صفحہ ۶۷۔۶۸

فرڈینانڈ (FERDINAND) ان غیر ملکی دانشوروں میں سے ہے جو مزکورہ بالا نظریے کو درست تسلیم کرتے ہیں۔ان کا بھی یہی خیال ہے کہ ہزارہ قوم دراصل مغل یا ترک مغل نسل سے ہے[1]۔ الزبتھ بیکن (ELIZBITH-BACON) بھی اس بات سے متفق ہے کہ ہزارہ قوم ترک اور مغل عساکر کی اولاد ہے لیکن وہ اپنے اس نظریے کی تائید میں منکوقآن۔ہلاکو خان یا اس کے کسی پیرو کی سرگرمیوں کا حوالہ نہیں دیتی بلکہ چغتائی اولس[2] کی عظیم کامیابیوں کے حوالے سے اپنے نظریے کی وکالت کرتی ہے

اس کے خیال میں ہزارہ قوم چغتائی فوج کے متعدد حملوں کے بعد ہی اس علاقے (مرکزی افغانستان) میں جاگزیں ہوئی کیونکہ مذکورہ علاقے انتہائی ذرخیز تھے ۔بیکن کا دعویٰ ہے کہ صرف (۱۳۰۶-۱۲۸۲) کے دوران افغانستان کے راستے شمالی ہندوستان پر ۹ حملے کئے گئے[3] انہی لشکرکشیوں کے بعد مغل افواج کو مرکزی افغانستان میں تعینات کیا گیا اور ہزارہ قوم انہی مغلوں کی اولاد ہے

مشہور محقق پ سیکس(p-sykes) کا بھی یہی خیال ہے کہ ہزارہ قوم ان ہی مغلوں اور علاقے کے باشندوں کی مخلوط نسل ہے دائرۃالمعارف اسلامی کا مصنف بھی مذکورہ نظریے سے متفق ہے[4] لیکن خ۔ شیرمن(schurmann) ہزارہ قوم کی تشکیل کے بارے میں عجیب اور جداگانہ نظریہ رکھتا ہے اس کا خیال ہے کہ ہزارہ چودھویں اور پندرھویں صدی کے وہ خانہ بدوش ہیں جو جنوب مشرقی ایران اور جنوب مغربی ایران میں آباد تھے اس سلسلے میں وہ ان کے نسلی تشخص کو نظرانداز کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان دنوں نکودری مغل نوروزی اور حتیٰ کہ افغان بھی ہزارہ کہلاتے تھے لہذا لفظ ہزارہ کسی خاص قوم کے لئے نہیں بلکہ

---

[1] مرکزی افغانستان میں تجارت اور خانہ بدوشی صفحہ ۱۲۶

[2] اولس مغل زبان کا لفظ ہے جسکے معنی ہیں عوام

[3] افغانستان کے ہزارہ مغلوں کی تاریخ صفحہ ۲۱،۲۲

[4] دائرہ المعارف اسلامی جلد ۲ صفحہ ۲۹

تمام اقوام کے لئے اجتماعی طور پر استعمال ہوتا تھا

شیرمن کے نظریے کی رو سے تیمور لنگ کی وفات کے بعد مذکورہ خانہ بدوشوں کی کچھ تعداد مشرق کی جانب کوچ کر گئی جبکہ نکودری غور کی طرف ہجرت کر گئے اور ان علاقوں میں سکونت اختیار کر لی بعد میں کچھ مغل قبائل بھی دریائے ھیلمند (helmand) کے اطراف میں ان سے آملے جو بتدریج ایک ایسی قوم کی پیدائش کا سبب بنے جس نے بعد میں ایرانی زبان کا اثر قبول کر لیا اس سلسلے میں بابر کے زمانے کو بڑی اہمیت حاصل ہے جب ہزارہ قوم کی تشکیل کے زیادہ مراحل طے ہوئے اور وہ کابل کے مغرب میں واقع پہاڑی علاقوں میں ایک مکمل قوم بن کر ابھری[1] روسی دانشوروں میں سے ای - وی - برمودن (E.V.BURMODIN) اس بات سے متفق ہے کہ ہزارہ قوم مغل فوجوں کے ترکوں کے ساتھ ازدواج کے نتیجے میں وجود میں آئی چنانچہ یہ کہنا درست ہے کہ وہ مغل بلکہ ترک مغل ہیں[2]

مندرجہ بالا نظریات اور آراء کو مد نظر رکھتے ہوئے ہزارہ قوم کے تاریخی پس منظر اور ان کی تشکیل کے بارے میں مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں

ہزارہ ان مغل یا ترک مغل فوجوں کی اولاد ہیں جو چنگیز خان یا اس کے فرزندوں کے ساتھ (جو ایران یا مرکزی ایشیا پر حکمران تھے) موجودہ ہزارہ جات میں آئے چنگیز خان کے حملوں سے قبل ہزارہ جات میں بسنے والے باشندوں کا ہزارہ قوم کی تشکیل میں اول تو کوئی حصہ نہیں اور اگر ہے بھی تو انتہائی کم۔

لیکن اب تاریخ - زبان - نسل - عمرانیات اور دیگر بشری علم کے ماہرین کی کوششوں سے یہ بات آسان ہو گئی ہے کہ ہزارہ قوم کے پس منظر اور انکی تشکیل پر زیادہ وسیع پیمانے پر بحث کی جائے ایرانی اور تاجکی زبانوں میں ہزارہ کا مطلب ہے ہزار (یعنی ۱۰۰۰) اور ہزار کے مجموعے کو ہزارہ یا ہزارہ جات بھی کہا

---

[1] افغانستان کے مغل صفحہ ۲۶ - ۲۷ - ۱۱۱ - ۱۱۸

[2] تاریخ افغانستان جلد ۱ صفحہ ۲۸۹

جاتا ہے لیکن یہ الفاظ (ہزارہ۔ ہزارہ جات) ان دنوں چنگیز خان کے ایک مخصوص گروہ کے لئے استعمال ہوتے تھے

اس دوران مذکورہ اصطلاح ان خانہ بدوشوں کے لئے بھی استعمال ہوتی تھی جو انتظامی نقطہ نظر سے کسی جاگیردار کی عملداری میں رہتے تھے مذکورہ خانہ بدوشوں پر لازم ہوتا تھا کہ وہ بوقت ضرورت ایک ہزار آدمیوں پر مشتمل گروہ اپنے اتحادی جاگیرداروں کی مدد کو روانہ کرے مذکورہ گروہ سو سو افراد کی ٹولیوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ جنہیں مجموعی طور پر صداجیت بھی کہا جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ قرون وسطیٰ کے بعض مورخ مثلاً سکندر بیگ ترکمنی نے مملکت ہزارہ جات کی بجائے صداجیت کی اصطلاح استعمال کی ہے[1]

ہزارہ اور صدہ کے الفاظ فوجی اور انتظامی اصطلاحات کے طور پر پہلی مرتبہ تیرھویں صدی عیسوی کے وسط میں فارسی زبان میں رائج ہوئے[2] جبکہ ہزارہ جات اور ہزارہ کی اصطلاحات چودھویں صدی کے اواخیر میں عام ہوئیں[3] ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہزارہ قوم کی مکمل تشکیل چودھویں صدی کے وسط میں ہوئی اور وہ اپنی مکمل قومی صفات کے ساتھ ہزارہ جات میں سکونت پذیر ہوئی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اطراف کے دیگر قبائل بھی ان سے گھل مل گئے اور یوں مرکزی افغانستان کے تمام باشندے ہزارہ کہلانے لگے

یہ جاننا کہ ہزارہ قوم کی مکمل قبائلی حیثیت کیسے وجود میں آئی ایک بہت مشکل کام ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بارے میں بہت کم ذرائع دستیاب ہیں اور وہ بھی انتہائی متفرق اور منتشر ہیں ہزارہ قوم کے بارے میں معلومات ایران افغانستان ہندوستان اور مرکزی ایشیا کی تاریخ سے ہی حاصل کی جا سکتی ہیں ان کے علاوہ ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہزارہ قوم کے بارے میں تاریخی مواد کو نہ تو جمع کیا گیا ہے اور نہ ہی کبھی ان کو علمی شکل میں شائع کیا گیا ہے لہذا ان کے

---

[1] عباسی امراء کی تاریخ صفحہ ۷۰

[2] تاریخ نامہ ہرات صفحہ ۱۶۲۔۱۶۳

[3] تاریخ جہاں گشا جلد ۱ صفحہ ۱۷۳۔۵۷۳

بارے میں تفصیل سے جاننے کے لئے ہمیں زبان قیافہ شناسی جسمانی ساخت اور علاقہ شناسی کے ماہرین سے مدد لینا ہوگی لیکن اس کے باوجود متفرق ذرائع اور ماخذ کی وجہ سے ہمیں ہزارہ قوم کی شناخت میں دشواری پیش آتی ہے

ہزارہ قوم میں مروجہ قصے کہانیاں اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ہزارہ دراصل چنگیزی سپاہ کے باقیات ہیں جو چنگیز خان کے ساتھ ہرات قندھار اور غزنی کی طرف آئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے[۱] ہزارہ خوانین بڑے فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ وہ مغل ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ وہ فاتح بامیان یعنی چنگیز خان کی سپاہ کی اولاد ہیں[۲]

مندرجہ بالا باتوں کی اہمیت سے انکار نہیں لیکن پورے وثوق سے ان باتوں کی تائید بھی نہیں کی جا سکتی کیونکہ افغان بھی تو اپنے آپ کو بنی اسرائیل کی نسل قرار دیتے ہیں اور ایسی کہانیاں سناتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بادشاہ سولو کی نسل سے ہیں جس طرح افغانوں کی ان کہانیوں پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا بالکل اسی طرح ہزارہ بزرگوں کی کہانیوں کو بھی مکمل قابل اعتبار نہیں گردانا جا سکتا لہٰذا اب آئیے اس سلسلے میں چند دیگر ذرائع سے مدد لیتے ہیں تاکہ یہ جان سکیں کہ ہزارہ قوم کی تشکیل کے بارے میں اور کون کون سے نظریے وجود رکھتے ہیں

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہزارہ مغلوں سے مشابہت رکھتے ہیں اس حقیقت کی تمام مغربی سیاح اور محقق تائید کرتے ہیں ان میں الفنسٹن (ELPHINSTONE) جے۔ میسن (J-MASSON) اکنولی (CONOLLY) بلیو (bellew) جے۔ گرے (J-GRAY) جی۔ ومبری (G-WAMBERY) فیریر (FARRIER) اور ریچکو (RICHKO) وغیرہ شامل ہیں[۳] شکل و شباہت

---

[۱] ہزارہ ثقافت صفحہ ۳، اور دارا سے امان اللہ تک (انگریزی) صفحہ ۲۵

[۲] افغانستان کے مغل صفحہ ۱۳۱

[۳] سلطنت کابل جلد ۲ صفحہ ۲۵۰۔ بلوچستان۔ افغانستان اور پنجاب کے سفر کی روداد جلد ۲ صفحہ ۲۱۱۔ افغانستان میں سیاسی مشن کی رپورٹ صفحہ ۱۱۔ امیر کے سلسلے میں میری ذمہ داریاں صفحہ ۲۰۵۔۲۰۶ وغیرہ

میں ہزارہ قوم کی مغلوں کے ساتھ مشابہت کو روسی محقق بھی تائیدی نظریے سے دیکھتے ہیں۔ مثلاً بلارمبرگ (BALARAMBURG) یاروسکی (YAROVISKY) داویدوف (DAVYDOV) اور دیوکنچ وغیرہ[1] مور (MOOR) کے نظریے کے مطابق چہرے کی ساخت کے اعتبار سے ہزارہ مغلوں کی نسبت تبت کے باشندوں سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں[2] جبکہ جے ووڈ (J.WOOD) کا خیال ہے کہ ہزارہ پامیر کے قرغنیز (KIRGHIZ) قبائل سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں[3] جسمانی ساخت میں ہزارہ قوم کی مغلوں سے مماثلت سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ ہزارہ قوم کی تشکیل میں مغلوں کے علاوہ ان جیسی دیگر اقوام کا بھی اہم کردار رہا ہے۔ وبس کا خیال ہے کہ ہزارہ قوم کی جسمانی ساخت بذات خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ مغلوں یا مرکزی ایشیاء کے دیگر قبائل مثلاً بوریات۔ سویاکوت۔ تووینس۔ التائی۔ قرغیز اور قزاق کی اولاد ہیں[4] یہ بات انتہائی اہم ہے کہ جسمانی ساخت کے علوم کی رو سے ہزارہ جات کے تمام ہزارہ قبائل کم و بیش مغلوں سے مشابہت ضرور رکھتے ہیں۔ شیخ علی اور جاغوری کے ہزارہ قبائل دیگر ہزارہ قبائل کی نسبت مغلوں سے کم تر لیکن کوہ بابا کے ہزارہ قبائل مغلوں سے نسبتاً زیادہ مشابہت رکھتے ہیں[5]۔ جسمانی ساخت کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مختلف علاقوں کے ہزارہ مغلوں سے ایک ہی جیسی مماثلت نہیں رکھتے اور یہ فرق اور اختلافات ان کی تشکیل کے پس منظر میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ہزارہ قوم کے مغل ہونے کے بارے میں

---

[1] فارس سے متعلق معلومات صفحہ ۲۲۸ اور خوانین افغان اور بخارا کے درباروں کی سیر جلد ۱ صفحہ ۱۰۴-۱۰۵

[2] ہندوستان اور پنجاب کے راستے ہمالیہ کا سفر جلد ۲ صفحہ ۳۸۵

[3] آمو کے سرچشموں کی سیر صفحہ ۱۲۷

[4] افغانستان میں علم الانسان کی تحقیقات صفحہ ۶۔ مرکزی اور مشرقی افغانستان میں علم الانسان کی تحقیقات صفحہ ۶۰۵

[5] ہزارہ ثقافت صفحہ ۱۰۸ تا ۱۵۰ مرکزی افغانستان میں خانہ بدوشی اور تجارت صفحہ ۱۲۶ مرکزی افغانستان کے ہزارہ قبائل صفحہ ۳۱۳۔ افغانستان کے مغل صفحہ ۱۱۲ تا ۱۱۵ اور ایران صفحہ ۱۵۶

چند ایسے دیگر حقائق بھی ہیں جن کا تذکرہ ضروری ہے مثلاً غلزیوں (غلجائیوں) کے ساتھ بودوباش رکھنے والے ہزارہ قبائل مغل ہی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ حالانکہ اکثر ہزارہ قبائل مختلف علاقوں میں تقسیم ہونے کے باوجود اپنے قبیلوں (طائفوں) کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

ہزارہ قبائل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ چنگیز خان یا اس کے جنگجو پیروں یا مغل جاگیرداروں کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جنکے نام اب بھی وجود رکھتے ہیں۔ یا پھر تاریخ میں ان کا ذکر ہوا ہے مثلاً ایک ہزارہ قبیلہ دی چوپان کے نام سے مشہور ہے جو کہ دراصل ابوسعید کے ایک انتہائی اہم اور قریبی ایلخان امیر چوپان سے منسوب ہے۔

جب امیر چوپان اپنے گروہ کے ساتھ مشرقی خراسان کی طرف آیا تو اس نے وہیں سکونت اختیار کرلی۔ انیسویں صدی کے چوتھے عشرے کے دوران ایک انگریز سیاح آر۔لیچ (R-LEECH) جب دی چوپان (DAI-CHOPAN) قبیلے کے افراد سے ملا تو اسے گرشک کے قریب واقع امیر چوپان کا مقبرہ دکھایا گیا اور اسے بتایا گیا کہ یہ وہی شخص ہے جو انہیں (دئی چوپان قبیلے کو) یہاں لے کر آیا تھا۔

ہزارہ قبیلوں میں بہسود (BEHSUD) ایک بڑا قبیلہ تصور کیا جاتا ہے جو چنگیز خان کے قبیلے کے ایک شخص بہسود یا بیسود سے منسوب ہے مذکورہ شخص کو جگوہا کو کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔[۱]

لسانیات کے ماہرین کے مطابق ہزارگی زبان کی تشکیل میں مغلوں کا کردار بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

ج۔ ڈلنگ (G-DULLING) کے مطابق ہزارگی زبان میں مغلیہ زبان کی آمیزش دس فی صد ہے بعض مورخوں نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ہزارہ قوم

---

[۱] جامع التواریخ جلد ا صفحہ ۔۳۔ غلزئی سرزمین کے بارے میں رپورٹ صفحہ ۳۴۵ اور سراج التواریخ جلد صفحہ ۸۸

کے آباواجداد مغلیہ زبان سے مکمل واقفیت رکھتے تھے[1]

چنگیز خان یا اس کے فرزندوں کے ساتھ آنے والے مغل یا ترک مغل فوجی دستے ایک ہی زبان بولتے تھے لیکن بعد میں انہوں نے علاقے کی مغلوب اقوام کی زبانوں کا اثر بھی قبول کیا۔

جدید دور کے بعض محقق دعویٰ کرتے ہیں کہ مغل فوجوں کی ہندوستانی عورتوں سے ازدواج کے نتیجے میں بھی بعض قبائل وجود میں آئے مثلاً کاراٹوناس (KARAYONAS) قبیلہ[2]

حالانکہ اس بات پر مشکل سے یقین کیا جا سکتا ہے کہ مغلوں نے ہندوستانی یا ایرانی عورتوں سے ازدواج کیا ہو ان کے بجائے بعض ایسی دیگر باتوں پر توجہ دینا ضروری ہے جو حقائق سے زیادہ نزدیک دکھائی دیتے ہیں مثلاً اس بات کے زیادہ امکانات ہیں کہ بعض ہزارہ قبائل مغلوں اور پشتونوں کے ازدواج کے نتیجے میں وجود میں آئے ہوں مثلاً بہسود کا ایک طائفہ ابدال (ABDAL) اس بات کی دلیل ہے اس کے علاوہ دیگر ایسے ہزارہ قبائل جن کے نام "زئی" پر ختم ہوتے ہیں۔ ایسے قبائل کی مثالیں ہیں۔ مثلاً داؤد زئی۔ محمد زئی وغیرہ[3]

۱۳۸۳ میں جب تیمور لنگ نے سیستان کو فتح کر لیا تو گرم سیر اور قندھار کے نکودری قبائل کو شکست دینے کی خاطر اپنے بعض امراء مثلاً میران شاہ اور امیر محمد کو بھیجا[4]۔ جب تیموری افواج نے نکودریوں کو شکست سے ہمکنار کیا تو نکودری موجودہ ہزارہ جات کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے ان کی ہزارہ جات کی طرف اس ہجرت نے ہزارہ قوم کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔

---

[1] بابر نامہ صفحہ ۱۵۵

[2] جامع التواریخ جلد ۳ صفحہ ۱۹۰۔۱۹۲ اور مارکوپولو کا سفر صفحہ ۶۶۔۶۷

[3] متمم احصائیوی ہزارہ صفحہ ۶۳۳۶۔ (زئی پشتو کا ایک لفظ ہے جس کا مطلب ہے بیٹا)

[4] ظفر نامہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۰۔۲۷۱

ایسا لگتا ہے کہ ہزارہ قوم کی تشکیل چودہویں صدی کے وسط میں ہوئی اور اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ان کی تشکیل مغل فوجوں کے علاقے کے اصلی باشندوں سے ازدواج کے بعد ہوئی۔ کیونکہ اس دور کے بعد ہی لفظ ہزارہ وجود میں آیا جبکہ اس پہلے ایسی کوئی اصطلاح رائج نہیں تھی۔

نکودری بھی چونکہ بتدریج ہزارہ جات آتے رہے اس لئے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ بھی ہزارہ کے نام سے مشہور ہوئے اور یوں وہ آہستہ آہستہ ہزارہ قوم میں ضم ہوتے گئے۔ پندرہویں صدی عیسوی کے اواخر سے ۱۷ ویں صدی کے اوائل تک کی تاریخ میں جہاں کہیں نکودری قبائل کا ذکر ہوا ہے وہاں ہزارہ قوم کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور ان کے بارے میں یہی کہا گیا ہے کہ وہ وہاں کے مستقل اور خود مختار لوگ تھے[1] لیکن سترہویں صدی کے اواخیر اور اس کے بعد کی تاریخ میں نکودریوں کا ایک علیحدہ اور جداگانہ قوم کی حیثیت سے کہیں بھی کوئی تذکرہ نہیں ملتا بلکہ اگر ان کا کہیں ذکر ہوا ہے تو کسی ہزارہ قبیلے کی حیثیت سے ہوا ہے۔

درحقیقت اسی دوران ہزارہ قوم ایک مکمل قومی خصوصیات کے ساتھ وجود میں آئی یعنی سترہویں صدی کے بعد سے ہزارہ تاریخ پر ایک مکمل اور جداگانہ تشخص کے مالک قوم کی حیثیت سے گفتگو کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اب وہ محض مرکزی افغانستان (ہزارہ جات) یا مشرقی افغانستان میں بسنے والے مغل فوجی دستے نہیں رہے تھے بلکہ اب انہوں نے ایک مکمل قوم کی حیثیت اختیار کر لی تھی یاد رہے کہ جس علاقے میں ہزارہ قوم ایک مکمل اور جداگانہ تشخص کے ساتھ ابھری وہ محض موجودہ ہزارہ جات کی سرحدوں تک محدود نہ تھا بلکہ اس کی سرحدیں قندھار اور غزنی سے جا ملتی تھیں ان علاقوں سے ہزارہ قبائل نے انیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں ہجرت کی۔ اسی طرح شیخ علی قبیلے کے لوگ بھی یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اصلاً ترک ہیں۔ اس بات کی دلیل میں وہ اپنے

---

[1] ہفت اقلیم جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۔ بابر نامہ صفحہ ۱۵۱

ایک طائفہ ترکمن (TURKMAN) کی مثال دیتے ہیں جن کے سربراہ کو آبسقال کہا جاتا ہے[1] شیخ علی قبیلے میں جو بات سب سے زیادہ قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ وہ مغلوں سے کم مشابہت رکھتے ہیں۔

ہزارہ قوم کی تشکیل میں بعض دیگر اقوام مثلاً خلجی ترک اور قارلوق کا بھی اشتراک ہو سکتا ہے جو مغلوں کے حملات سے پیشتر وہاں (مرکزی افغانستان) آباد تھے اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ بعض ہزارہ قبائل چہرے مہرے کے لحاظ سے خلجی اور قارلوق اقوام سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں[2] ظفر نامہ کے مطابق تیمور لنگ کا ایک امیر جس کا نام پیر محمد جہانگیر تھا اور جو قندھار سے دریائے سندھ تک کے علاقے پر حاکم تھا نے اپنی فوج کے بہت سے افراد اور ان کے خاندان کو مرکزی افغانستان میں آباد کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہزارہ قوم کی تشکیل میں ترکوں کا بھی حصہ ہو سکتا ہے۔

ترکی کے الفاظ تاجکی الفاظ کی نسبت ہزارگی زبان میں زیادہ شامل ہیں مثلاً گھاس پھونس اور جڑی بوٹیوں کے اکثر نام ترکی میں ہیں لیکن مجموعی طور پر تاجکی (فارسی دری) الفاظ کی آمیزش ہزارگی زبان میں ترکی الفاظ کی نسبت زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چنگیز خان کے حملوں سے پیشتر موجودہ افغانستان کے علاقے غور پر تاجکوں کی حکومت تھی۔ جو بعد میں ہزارہ قبائل کے ہمسایوں کی حیثیت سے وہاں رہنے لگے[3]۔ اس دوران اکثر شہری علاقوں میں تاجکوں کی رہائش تھی اکثر محقق اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ ۱۶ ویں صدی کے دوران اکثر شہری علاقوں میں تاجکوں کی اکثریت تھی[4]۔ قرون وسطیٰ میں ہرات۔ قندھار۔ کابل اور غزنی میں تاجکی زبان ہی رائج تھی[5]۔ تاجکوں کی ایک بڑی تعداد آج بھی ہزارہ قوم

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۱۳۹ اور ہزارہ ثقافت صفحہ ۳۸

[2] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۷۲

[3] تاریخ نامہ ہرات صفحہ ۸۹

[4] بابر نامہ صفحہ ۵۵

[5] ایرانی لہجہ پر تبصرہ صفحہ ۳۰۱

کے ساتھ یا ان کے ہمسایوں کی حیثیت سے زندگی گزار رہی ہے اس طرح غزنی پنجشیر اور بامیان میں تاجک اور ہزارہ ایک ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہزارگی زبان پر تاجکی زبان کے اثرات کا مرتب ہونا ایک قدرتی بات ہے اکثر محقق اس بات سے متفق ہیں کہ ہزارگی زبان لہجے کے اعتبار سے افغانستان اور جنوبی روس کے تاجکوں جیسی ہے[1] تاریخ وثقافت کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ مغلوں اور ترک مغلوں نے مرکزی افغانستان میں جاگزین ہوتے وقت وہاں کے تاجکوں سے زراعت گلہ بانی اور دستکاری کا فن سیکھا۔ ایک ساتھ زندگی گزارنے کی وجہ سے تاجکوں نے ہزارہ ثقافت پر کافی گہرے اثرات مرتب کئے جو اب بھی محسوس کئے جا سکتے ہیں تاجک ثقافت نے ہزارہ ثقافت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ اور یوں ہزارہ قوم نے تاجکوں سے زراعتی اور صنعتی شعبوں میں بھی کافی رہنمائی حاصل کی[2]۔ تاجکوں نے ہزارہ قوم کی معاشی اور معاشرتی زندگی کو بھی بہت متاثر کیا۔ اگر ہزارہ قوم کی خصوصیات کو مد نظر رکھا جائے تو یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ ہزارہ قوم کی ثقافتی۔ معاشی اور معاشرتی زندگی تاجکوں سے کافی متاثر ہوئی۔

انیسویں صدی کے ہزارہ خوانین بھی اپنے دربار۔ تاجکی اور ایرانی درباروں سے مشابہہ بناتے تھے حتیٰ کہ آج بھی ہزارہ خوانین اور جاگیرداروں کے درباروں میں فردوسی حافظ سعدی اور رودکی کے اشعار قدیم فارسی انداز میں لکھے ہوئے دیکھے جا سکتے ہیں۔

ثقافتی اثر پذیری کا یہ عمل یک طرفہ نہیں تھا بلکہ اصل ہزارہ ثقافت نے تاجک ثقافت پر بھی کافی گہرے اثرات مرتب کئے لیکن نسبتاً کم پیمانے پر۔

اس تفصیلی گفتگو کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ ہزارہ قوم مغل افواج کے مرکزی افغانستان کے اصلی باشندوں سے (جن میں سب سے اہم تاجک ہیں)

---

[1] مرکزی ایشیاء کی ایرانی زبان بولنے والی اقوام صفحہ ۱۴۸ - ۱۴۹ - ہزارگی زبان - یکاولنگ کا لہجہ صفحہ ۸ - افغانستان کے مغل صفحہ ۲۳ - ۲۶

[2] افغانستان کے مغل صفحہ ۱۳ - افغانستان اس کے باشندے اور انکی ثقافت صفحہ ۲۷

ازدواج کے نتیجے میں وجود میں آئی اس کے علاوہ مغل عساکر کے ترک اور پشتون عورتوں سے ازدواج نے بھی بعض ہزارہ قبائل کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا (ان کے علاوہ ممکن ہے کہ ہندوؤں اور آریاؤں سے بھی مغل عساکر نے ازدواج کیا ہو)

ہزارہ قوم کے بارے میں لکھی گئی بعض تاریخی تحریروں میں اسلام کے حوالے سے بھی کافی بحث کی گئی ہے جس کی اہمیت اور دلچسپی سے انکار ممکن نہیں چنانچہ میں یہاں اس موضوع پر مختصراً گفتگو کرنا چاہوں گا۔ یہ موضوع اس لئے بھی اہم ہے کہ ہزارہ قوم دینی اور روحانی مسائل میں ایرانی اور تاجکی اقوام کی تقلید کرتی چلی آرہی ہے (بلکہ خط اور املا میں بھی ایرانی اور تاجکی زبان کی تقلید کی گئی ہے)

کہا جاتا ہے کہ جب چنگیزی سپاہ میں اسلام پھیلا تو ہزارہ جات کے قدیم باشندے بھی اس سے متاثر ہوئے (اور وہ چنگیزی سپاہ سے گھل مل گئے) جو بعد میں ہزارہ قوم کی تشکیل کا سبب بنے۔ اسلام میں چونکہ جاگیردارانہ نظام کی جڑیں بہت مضبوط تھیں اس لئے ہزارہ جاگیرداروں نے بخوشی اسلام قبول کر لیا۔ تاکہ اس طرح وہ لوگوں میں اور زیادہ مضبوط اور مستحکم ہو سکے بعض جاگیرداروں نے تو اس نئے رجحان سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا اب آئیے ذرا تفصیل سے ہزارہ قوم کے دینی عقائد پر روشنی ڈالتے ہیں۔

ہزارہ قوم کی اکثریت شیعہ مسلمانوں پر مشتمل ہے ماسوائے دئی زینیات (DAI-ZINYAT) قبیلے کے جو شمالی ہندوکش پہاڑی سلسلے کے قرب وجوار میں رہتا ہے اس کے علاوہ شیخ علی کے بعض قبائل بھی سنی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔[1]

ان کے علاوہ بعض ہزارہ قبائل اسماعیلی فرقے سے بھی تعلق رکھتے ہیں

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۶۶۴۔ مرکزی الشیاء (دوسرا حصہ) صفحہ ۳۲۲۔ افغانستان کا نسلی جائزہ صفحہ ۴۵۔

مثلاً پائند محمد داوزئی محمد زئی اور صحبت خان وغیرہ ۔ انکا تعلق دی چوپان (DAI-CHOPAN) سے ہے ان کے علاوہ شیخ علی کے بعض قبیلے بھی اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں جنکا مرکز مشرب ہے یہ ایران میں قم کے نزدیک واقع ہے۔[1]

یہاں ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ ہزارہ قوم کے ارد گرد بسنے والی دیگر تمام اقوام سنی عقیدے سے تعلق رکھتی ہیں لیکن تمام ہزارہ قوم یا ان کی اکثریت شیعہ عقیدے پر کاربند ہے حالانکہ یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کس دوران مسلمان ہوئے ۔

مذکورہ مسائل کی تحقیق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ معلومات اور ذرائع کی کمیابی ہے ۔ قرون وسطیٰ کے ذرائع بھی اس سلسلے میں بہت کم معلومات پر مبنی ہیں لہذا مغربی اور روسی محققین صرف اسی بات پر اکتفاء کرتے نظر آتے ہیں کہ ہزارہ شیعہ مذہب کے پیرو کار ہیں اور ایس۔ ن ۔ ا ۔ ارسٹوف (N-A-ARISTOV) کا اس بارے میں کہنا ہے کہ ہزارہ قوم نے وہاں (مرکزی افغانستان) کے اصلی باشندوں یعنی تاجکوں سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا جو کہ مسلمانوں کے شیعہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔[2]

لیکن ارسٹوف نہ تو کبھی اپنے اس نظریے کو ثابت کر سکا اور نہ ہی ان ذرائع کی نشاندہی کر سکا جس کی بناء پر اس نے یہ نظریہ پیش کیا تھا حالانکہ واخان اور بدخشان کے علاوہ افغانستان کے دیگر تمام علاقوں کے تاجک سنی عقیدے کے پیرو کار ہیں ۔ ایسا لگتا ہے کہ ارسٹوف نے اپنا یہ نظریہ انیسویں صدی کے ان

---

[1] ہزارہ قوم کی تاریخ میں اسماعیلی فرقے کے علاوہ دیگر فرقوں کا ذکر نہیں ۔ برنس کے مطابق انیسویں صدی کی تیسری دہائی کے دوران علی الہی فرقے کے ایک رہبر (جسکے پیرو ایران اور ترکی میں وجود رکھتے تھے) نے بہسود میں تبلیغات کی کوشش کی لیکن اس کی یہ سرگرمی ایک مذہبی جنگ میں تبدیل ہوئی اس طرح افغانستان خصوصاً ہزارہ قوم میں اس فرقے کو کوئی پذیرائی حاصل نہ ہو سکی (بخارا کا سفر جلد ۔ ۲ صفحہ ۲۶۳ ۔ ۲۶۴) شیعہ مذہبی راہنماوں کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ ان کے علاقے میں کسی دیگر فرقے کو پذیرائی حاصل نہ ہو (سراج التواریخ جلد ۳ ۶۶۳ ۔ ۶۶۴ اور متمم حسائیوی ہزارہ صفحہ ۳۳۶)

[2] کچھ افغانستان کے بارے میں صفحہ ۲۸۶

مغربی محققین کی تحریروں سے متاثر ہو کر پیش کیا جو تمام تاجکوں کو شیعہ تصور کرتے تھے[1] حالانکہ دی کنڈی (DAI-KUNDI) اور اودمہ (UDMA) کے تاجک شیعہ مذہب کے پیرو کار ہیں لیکن پھر بھی یہ اس بات کے ثبوت کے لئے کافی نہیں کہ ہزارہ قوم نے تاجکوں سے متاثر ہو کر شیعہ مذہب قبول کیا۔

ایک تاثر یہ بھی ہے کہ ہزارہ شاہ عباس کے دور (۱۵۸۷-۱۶۲۹) میں شیعہ ہوئے اس نظریے کا محرک۔ جی۔ ومبری ہے جس نے انیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں پہلی مرتبہ اعلان کیا کہ شاہ عباس ہی وہ شخص تھا جس نے ہزارہ قوم کو شیعہ بنایا[2] پھر تقریباً ایک سو سال بعد ایک امریکی محقق شیرمن نے ومبری کے نظریے کی تائید کی اس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ ہزارہ سولہویں صدی عیسوی تک لسانی تھے[3] لیکن جب صفویوں نے ایران میں تشیع مذہب رائج کیا تھا تو ایرانیوں کے علاوہ دیگر علاقوں کے لوگوں کو بھی شیعہ ہونے کی دعوت دی گئی۔ ابتداء میں صرف ہزارہ بزرگوں اور جاگیرداروں نے شیعہ مذہب قبول کیا۔ لیکن بعد میں ہزارہ عوام نے بھی اس عقیدے کو قبول کر لیا۔[4]

شیرمن نے اپنے اس نظریے کی تائید میں ہزارہ اور صفویوں کے تعلقات کو ثابت کرنے کے لئے ایک داستان کا بھی حوالہ دیا ہے۔

مذکورہ داستان دئی کنڈی کے ایک قبیلے دولت بیگ کے کسی بزرگ کی زبانی رقم ہے جس کے مطابق جب شاہ عباس قندھار آیا تو وہ قندھار کے نزدیک واقع تیمران نامی علاقے میں گیا۔ اس نے دولت بیگ کو اپنے پاس آنے کی دعوت دی اور اس کا شاندار استقبال بھی کیا۔ بعد میں شاہ عباس نے دولت بیگ کو ہزارہ جات کا ایک بڑا حصہ بطور انعام عطا کیا۔ لیکن بعض محقق مذکورہ

---

[1] میک گریگور افغانستان کے تمام باشندوں کو دو گروہوں میں تقسیم کرتا ہے اور تاجکوں کو شیعہ بیان کرتا ہے
[2] مرکزی ایشیاء کی سیاحت صفحہ ۳۲
[3] لسانی ہونے کے بارے میں تاریخ میں شواہد موجود نہیں۔ البتہ اس بات کا قوی امکان ہے کہ غیر مسلموں اور ان مسلمانوں کو اس نام سے یاد کیا جاتا تھا جو عقیدے کے اعتبار سے حکمران طبقات کے مخالف ہوتے تھے
[4] افغانستان کے مغل صفحہ ۲۰-۲۱

داستان کو درست تسلیم نہیں کرتے کیونکہ حقیقت تو یہ ہے کہ شاہ عباس نے ہزارہ جات کو کبھی فتح نہیں کیا۔اس لئے اسے ہرگز یہ اختیار حاصل نہیں تھا کہ وہ ہزارہ جات کا کوئی علاقہ دولت بیگ کو بخش دے اور اسے ہزارہ قوم کا سربراہ مقرر کریں۔

اس کے علاوہ نہ تو دولت بیگ اور نہ ہی اس کے کسی بیٹے نے ہزارہ جات پر حکمرانی کی ہے ۔بلکہ وہ تو صرف دئی کنڈی کے بعض علاقوں پر حاکم تھے[1] لہذا لسانیات کے امریکی ماہر اور محقق شیر من کا یہ کہنا ۔ کہ انیسویں صدی سے قبل اور خصوصاً تیمور لنگ کے دور میں ہزارہ لسانی تھے بالکل غلط ہے اس سلسلے میں شاہ عباس کے دور کی ایک انتہائی اہم اور انمول کتاب "عباسی امراء کی تاریخ ،کی مثال بھی دی جا سکتی ہے مذکورہ کتاب میں ہزارہ قوم کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن ایسی کسی بات کا کوئی تذکرہ نہیں کہ ہزارہ لسانی یا بت پرست تھے اور نہ کسی ایسی بات کا تذکرہ ہوا ہے جس سے ظاہر ہو کہ ہزارہ جات میں تشیع شاہ عباس کے ذریعے پہنچا۔بلکہ اس کے برعکس کہا گیا ہے کہ شاہ عباس کے دور میں بھی ہزارہ شیعہ ہی تھے اور ہزارہ فوجیوں نے جن کی تعداد دو سے تین ہزار تک تھی دین محمد خان ازبک کی سربراہی میں شاہ عباس سے جنگ بھی کی[2]۔ پھر جب شاہ عباس دین محمد خان کو شکست دینے میں کامیاب ہوا تو اس نے ہرات میں رہائش اختیار کر لی جہاں اس نے جمشیدی (JAMSHEDI) قپچاق (KAPCHAK) تیموری (TEMURI) ہروی (HARVI) اور ہزارہ بزرگوں کو اپنے پاس بلایا اور ان سے بہت اچھا برتاؤ کیا[3]۔ مورخ شرف الدین علی نے ہزارہ جات اور نکودری قبائل پر تیمور لنگ کے حملوں کا بہت تفصیل سے ذکر کیا ہے لیکن اس نے کہیں بھی ہزارہ قوم کے لسانی

---

[1] دی کنڈی کا علاقہ مختلف ٹکڑیوں میں منقسم ہے جن پر مختلف جاگیرداروں کی حکومت ہوتی تھی اور جن کے انتقال کے بعد وہ علاقہ ان کی اولاد کو منتقل ہو جاتا تھا

[2] عباسی امراء کی تاریخ صفحہ ۵۶۹

[3] عباسی امراء کی تاریخ صفحہ ۳۰، ۵۷ ـ ۵۹

ہونے کا تذکرہ نہیں کیا ہے بلکہ اس نے لکھا ہے کہ تیمور لنگ نے نورستانیوں اور کافروں سے جنگ لڑی[1]۔ اسی طرح حافظ ابرو اور عبدالرزاق سمرقندی نے بھی ہزارہ قوم پر تیموریوں کے متعدد حملوں کا ذکر کیا ہے لیکن انہوں نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ ہزارہ لسانی تھے[2] بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہزارہ اس وقت بھی مسلمان تھے۔

بابر غزنی اور دیگر علاقوں کے عوام پر اپنے حملوں کا ذکر کرتے ہوئے ہزارہ قوم کے بارے میں بھی لکھتا ہے لیکن اس نے بھی دعویٰ کیا ہے کہ ہزارہ قوم حنفی عقیدے کے پاک مسلمان ہیں[3]۔

اس طرح افغانستان اور ایران کی ۱۴ ویں صدی تا ۱۶ ویں صدی پر مبنی تاریخ کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بعض مغربی محققین کا خیال ہے کہ ہزارہ ۱۵ ویں صدی تک لسانی تھے جو بعد میں صفویوں کے توسط سے شیعہ ہوئے یا پھر شیعہ مذہب انہوں نے اپنے ہمسایوں (تاجکوں) سے متاثر ہو کر قبول کیا۔

لیکن میری خواہش ہے کہ میں اس سلسلے میں اپنا نقطۂ نظر بھی واضح کر دوں حالانکہ شاید پھر بھی یہ مسئلہ حل نہ ہو لیکن میں چاہتا ہوں کہ افغانستان کے دانشوروں اور مورخوں کی توجہ اس جانب مبذول کراؤں تاکہ افغانستان میں بسنے والی اقوام کی مشکلات کا ازالہ ہو سکے۔

میری نظر میں ہزارہ قوم کے اسلاف اس وقت مسلمان ہوئے جب تمام مغل اولس نے اسلام قبول کیا ہلاکو خان اور اس سے پہلے مغل بت پرست تھے یا پھر کچھ تعداد میں لسانی تھے جنکا سربراہ غازان خان تھا۔ لیکن ۱۲۹۵ میں تخت نشین ہونے کے بعد غازان خان نے اسلام قبول کر لیا اور اس بات کی ہر ممکن کوشش کی کہ علاقے کے تمام مغل اسلام قبول کر لیں۔ اس نے تمام بتوں اور بت کدوں کو مسمار کا کرنے حکم جاری کیا۔

---

[1] ظفر نامہ جلد ۱ صفحہ ۳۳-۱۹

[2] جامع التواریخ صفحہ ۳۲۶ اور مطلع السعدین و مجمع البحرین صفحہ ۲۶۶

[3] جامع التواریخ جلد ۴۔ صفحہ ۲۱۷-۲۰۸۔ (بابر نامہ روسی ترجمہ) صفحہ ۱۵۱-۱۵۵-۱۶۲-۲۲۸ اور ۲۲۹

رشید الدین لکھتا ہے کہ غازان خان نے اسلام قبول کرنے کے بعد حکم دیا کہ تمام بتوں بت کدوں اور دیگر تمام ایسی اشیاء اور مقامات کو تباہ کر دیا جائے جو غلط عقائد پر مبنی ہوں اس نے اپنی مملکت میں وہی عقائد رائج کئے تھے جو دیگر اسلامی ملکوں میں رائج تھے۔ مغلوں نے ابتداء میں غازان خان کے اس اقدام کی شدید مخالفت کی لیکن بالاخر غازان خان ان کو زیر کرنے میں کامیاب ہوا۔ لیکن تاریخ میں ایسی کسی بات کا ذکر نہیں جس سے پتہ چلتا ہو کہ مغلوں نے مسلمان ہوتے وقت اسلام کے کس فرقے کے عقائد کو قبول کیا۔

بارٹولڈ (BARTHOLD) مغلوں کے اسلام قبول کرنے کے بارے میں لکھتا ہے کہ فارس میں مغل حکومت کے بانی ہلاکو خان کی وفات کے تقریباً ۴۰ سال بعد اس کے پیروؤں نے اسلام قبول کر لیا[1] لیکن وہ بھی اس بات کا تذکرہ نہیں کرتا کہ مغلوں نے مسلمان ہوتے وقت کس فرقے کے عقائد کو قبول کیا ایسا لگتا ہے کہ مغلوں نے مسلمان ہوتے وقت ہی شیعہ مذہب قبول کیا (اس بات کا کوئی ثبوت نہیں اور اگر ہے بھی تو اس کا ذکر نہیں کیا گیا) صرف رشید الدین نے اس بارے میں لکھا کہ غازان خان نے اسلام قبول کرتے وقت شیعہ فرقے کو پسند کیا۔ رشید الدین نے اس بات کا تذکرہ کئی بار کیا ہے۔

غازان خان اکثر حضرت علی اور ان کے فرزندوں کے مقابر کی زیارت کے لئے جاتا تھا۔ سیدوں سمیت تمام شیعوں کی قدر کرتا تھا اور ہمیشہ انہیں انعام و اکرام سے نوازا کرتا تھا[2]۔ غازان خان کے بعد اس کے بیٹے ابوسعید نے بھی اپنے والد کی پیروی کی۔ اس نے شیعہ مذہب کی ترویج کی خاطر بہت کام کیا جس کی وجہ سے ان علاقوں میں شیعہ مذہب تیزی سے پھیلا۔ موجودہ افغانستان پر اس وقت مکمل طور پر غازان خان اور ابوسعید کی حکومت تھی جس کی رعایا ہلاکو خان کے باقی ماندہ فوجیوں پر مشتمل تھی

---

[1] ایران صفحہ ۳۵

[2] جامع التواریخ جلد ۳ صفحہ ۲۱۹

مذکورہ بالا دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے میں اس نتیجے پر جا پہنچا ہوں کہ اسی دوران ہزارہ قبائل نے اسلام قبول کیا اور شیعہ مذہب اختیار کیا۔

فی زمانہ ہزارہ قوم کا شمار انتہا پسند شیعوں میں نہیں ہوتا۔ وہ اپنے آپ کو شیعہ مسلمان تو کہتے ہیں لیکن اپنے لئے مساجد تعمیر نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ عموماً عبادت بھی نہیں کرتے[1]۔ وہ صرف رمضان کے مہینے کا احترام کرتے ہیں اور ہر سال محرم کے مہینے میں یوم شہادت امام حسین مناتے ہیں۔ وہ ان تمام رسوم کو انتہائی آرام و سکون سے بجا لاتے ہیں اور ایسی کوئی ہیجانی صورت حال برپا نہیں کرتے جس طرح عموماً دیگر شیعہ اقوام برپا کرتی ہیں[2]۔

شیعہ مسلمان ہونے کے باوجود ہزارہ قوم میں کئی ایسے رسوم رائج ہیں جو اسلام سے بالکل مطابقت نہیں رکھتے مثلاً امان اللہ کے دور تک (۱۹۱۹-۱۹۲۸) بعض مواقعوں پر ہزارہ ایک رسم کے مطابق اپنے گھر کے چاروں طرف آلاؤ روشن کرتے تب گھرانے کا سربراہ آگ سے مخاطب ہو کر کہتا "خوشی بیا و بدی برو یعنی خوشی آ اور غم جا اسی طرح اس شخص کی بیوی کسی برتن میں پانی لے کر مکان کی چھت پر چڑھ جاتی اور اسے آہستہ آہستہ زمین پر چھڑکتی جاتی اس کے علاوہ ہزارہ قوم میں اور بھی کئی قدیم رسومات رائج تھیں مثلاً ہر قمری مہینے کے آغاز میں گھرانے کا سربراہ روٹی کا ایک بڑا ٹکڑا لے کر اسے کئی حصوں میں تقسیم کر کے قرآن پر پھیلا دیتا اور پھر ہاتھوں کی مدد سے قرآن کو ہوا میں بلند کر دیتا۔ تب گھر کے تمام افراد ایک ایک کر کے قرآن کے نیچے سے گزرتے جاتے اور قرآن پر سے روٹی کا ٹکڑا اٹھا کر کھاتے جاتے شیعہ ملا ان رسوم کی شدید مخالفت کرتے تھے اور اسے اسلام کے منافی قرار دیتے تھے[3] لیکن کوشش کے باوجود

---

[1] اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ گذشتہ ایک سو سال کے دوران ہزارہ قوم پر ہر طرح کی پابندی عائد تھی حتیٰ کہ انہیں اپنے مسلک کے مطابق عبادت کرنے کا بھی حق حاصل نہ تھا (م)

[2] البتہ کوئٹہ میں مقیم ہزارہ قوم کی مثال اس کے بالکل برعکس ہے وہ محرم کے ایام کو انتہائی جوش و خروش اور جذبے سے مناتے ہیں اور افغانستان اور ایران کے شیعوں کے برعکس اس دوران انتہائی ہیجانی صورت برپا کرتے ہیں (م)

[3] ہزارہ ثقافت صفحہ ۴۵

ایرانی مبلغ ہزارہ قوم کو ایسا شیعہ بنانے میں کامیاب نہ ہوسکے ۔ جو اپنے تمام قدیم رسوم و رواج ترک کر دیں۔ محمد یوسف ریاضی کے مطابق ۱۹ ویں صدی کے دوران چند ہزارہ طالب علم دینی تعلیم کے حصول کی غرض سے ایران گئے ۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب وہ وطن واپس لوٹے تو اپنے ہم وطنوں میں کسی طرح بھی کوئی تبدیلی نہیں لاسکے[۱] واضح رہے کہ ہزارہ حضرت علی کے اتنے معتقد ہیں کہ انہیں الوہیت کا درجہ دیتے ہیں[۲] لیکن یہ عمل دانش مندوں کے نزدیک قابل قبول نہیں میں سمجھتا ہوں کہ تشیع دین اسلام کا وہ خاص مسلک ہے جو غازان خان کے توسط سے مغلوں میں پھیلا۔ چنانچہ مندرجہ بالا حقائق اور غازان خان کی سیدوں پر عنایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہزارہ قوم میں اسلام اور تشیع کو غازان خان نے رائج کیا اور فروغ دیا۔ ہلاکو خان کے بعد ۱۷ ویں صدی تک ہزارہ بالکل آزاد اور خود مختار تھے اور کسی بھی بیرونی قوت میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ انہیں اپنی اطاعت پر مجبور کر سکے اس دوران اپنی سیاسی حیثیت ۔ خود مختاری اور ہزارہ جات کے مختلف حصوں کے درمیان موجودہ روابط کی وجہ سے ہزارہ قوم اس قابل ہو گئی تھی کہ وہ سنی مسلمانوں کے درمیان شیعوں کی حیثیت سے زندگی گزار سکے ۔

موجودہ زمانے میں ہزارہ قوم کے درمیان ایک گروہ سیدوں کا بھی ہے جو ہزارہ جات کے حاکم طبقات میں شمار کئے جاتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ مدینہ سے وہاں آئے ہیں[۳]۔

شاید وہ ان ایرانی مبلغوں کی اولاد ہیں جو تشیع کی تبلیغ کی خاطر ہزارہ جات آئے تھے جو سید ہزارہ جات میں بود و باش رکھتے ہیں چہرے مہرے کے لحاظ سے بہت کم ہزارہ باشندوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔

---

[۱] کلیات ریاضی صفحہ ۴۶

[۲] مرکزی ایشیاء صفحہ ۱۳۹۔۱۴۱

[۳] افغانستان کے مغل صفحہ ۱۵۶

ایک ہزارہ عورت صحن سے برف صاف کر رہی ہے

دوسرا باب

۱۔ جغرافیائی محل وقوع۔ ۲۔ ہزارہ قوم کی معاشی۔ معاشرتی اور سیاسی حالت

(۱۸۸۰-۱۸۱۹) کے دوران تمام ہزارہ جات میں ہزارہ آباد تھے اور مکمل آزاد اور خود مختار تھے ہزارہ جات جو کہ کابل کے مغرب اور شمال مغرب میں واقع ہے اس کی سرحدیں غزنی قلات غلجائی۔ بلخ اندراب اور ہرات تک پھیلی ہوئی ہیں۔

ہزارہ جات کی مشرقی حدود مزار شریف سے ۲۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع پہاڑی درے سے شروع ہوتی ہیں اور دریائے دیر گز سے ہوتی ہوئی جنوب میں واقع بوبنہ قرہ کے جنگلات آق کپروک۔ درہء قرہ کشان۔ دندان شکن اور سرخاب تک پھیلی ہوئی ہیں۔ جہاں سے مشرق میں ہاجر۔ لورک۔ دریائے غوربند اور پھر دوآب سے جا ملتی ہیں۔ وہاں سے جنوب میں دریائے کوتنبر اور زائمونی سے ہوتی ہوئی مغرب میں جلریک۔ باشلیانگ۔ جوقول۔ دیوار پناہ اور سیاہ خار تک جا پہنچتی ہیں ہزارہ جات جنوب مشرق میں تنگی شنیہ۔ تنگی سرخ سنگ۔ سرخوات۔ بالقرہ۔ بونان۔ کارنال۔ شا مولتو اور اللہ اکبر تک پھیلا ہوا ہے۔ جبکہ غزنی کے مغرب میں ۲۶ کلومیٹر تک اور غزنی قندھار کو ملانے والی سڑک کے ساتھ واقع پہاڑی سلسلے تک پھیلا ہوا ہے

ہزارہ جات کی جنوبی سرحدیں۔ میدان مقر۔ حلقہء آسیاب۔ گیر کبام چکہ اور وہاں سے شمال کی طرف دریائے ناخورب اور شاہ مشہد تک پھیلی ہوئی ہیں۔ وہاں سے مغرب میں بگرام۔ بادام مذار۔ بند کوتل طاہری۔ مرغابی۔ چرمستان۔ میان جوئی۔ ایکلان۔ تن مرغ۔ چکالو۔ لوکورمہ اور بند زراب تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس طرح زیارت حاجی سے ہوکر پہاڑی سلسلوں کے ساتھ ساتھ دریائے تکاب خور اور زرد سید سے شمال کی طرف مڑ جاتی ہیں۔

ہزارہ جات کی مغربی سرحدوں کا آغاز برمہ سے ہوتا ہے یہاں ہزارہ جات سیاہ لر اور وہاں سے اس کے مغرب میں واقع تولک ماہ گل پولاریستان سیاہ لک

اور قلعہ تک پھیلا ہوا ہے۔ یہاں سے ہزارہ جات کی سرحدیں تکمان کوہ۔ درہ خان شاھینک۔ جنور۔ چلچوا۔ اور خیر خانہ سے ہو کر دریائے مرغاب کے دائیں کنارے کے ساتھ ساتھ ۲۰ کلو میٹر آگے تک جاتی ہیں اور بند ترکستان اور پھر بوکان تک جا پہنچتی ہیں جہاں سے ہزارہ جات کی شمالی حدود کا آغاز ہوتا ہے۔

ہزارہ جات کی شمالی حدود کا آغاز۔ قلعہء ولی۔ چار شینہ۔ قلعہ نوروہ۔ توکل دھن درہ اور بلچراغ سے ہوتا ہے جہاں سے ہزارہ جات کی سرحد شمال مشرق میں واقع کاولیان اور کوردی سے گزر کر۔ سرپل شہر کے جنوب میں ۲۰ کلو میٹر تک اور خواجہ قورم بالاقورم سے ہو کر پہاڑی درے تک پھیلی ہوئی ہے[۱]

بامیان(BAMYAM) شہر میں اکثریت ہزارہ قوم کی ہے۔ شمالی بامیان میں ہزارہ قوم کے علاوہ تاجک بھی بودوباش رکھتے ہیں جبکہ شمال میں دریائے بلخاب کے قریب ہزارہ اور ازبک دونوں اقوام رہائش رکھتے ہیں لیکن شمال میں دریائے بلخاب (BULKHAB) مکمل طور پر ہزارہ قوم کی دسترس میں ہے۔

انیسویں صدی کے دوران ہزارہ جات کے رقبے میں کافی کمی واقع ہوئی تمام غیر ملکی ذرائع کی رو سے اس دوران ہزارہ جات کا رقبہ کم ہو کر ایک لاکھ تا ڈیڑھ لاکھ مربع میل تک جا پہنچا[۲]۔ اس کی وجوہات جاننے کے لئے یہ مثال کافی ہے کہ انیسویں صدی کی دوسری دہائی کے دوران میدان نامی علاقے میں ہزارہ اور تاجک مشترک زندگی بسر کرتے تھے لیکن جب ساتویں دہائی میں افغانوں نے ان علاقوں کی طرف ہجرت شروع کر دی تو ہزارہ قوم کو وہاں سے بے دخل ہونا پڑا[۳]۔ حالانکہ اس وقت ہزارہ قوم کی آبادی پندرہ لاکھ تھی[۴]۔ ہزارہ جات کے علاوہ ہزارہ

۱؎ ہزارستان روسی ترجمہ صفحہ ۹۔۱۰
۲؎ سلطنت کابل صفحہ ۲۴۲۔ مرکزی ایشیاء صفحہ ۱۱۹ اور افغانستان کا جغرافیہ صفحہ ۲۴۶
۳؎ ہندوستان کے راستے ہمالیہ کا سفر جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ اور افغان اور بخارا کے درباروں کی سیر جلد ۱ صفحہ ۲۴۶
۴؎ افغانستان کا جغرافیہ صفحہ ۲۴۶

دیگر شہروں مثلاً غزنی۔ کابل۔ قندھار۔ ننگرہار اور جنوبی ترکستان میں بھی آباد ہیں

ہزارہ قوم کا وطن کوہستانی ہے مشہور پہاڑی سلسلہ کوہ بابا (KOHE-BABA) بامیان سے مغرب کی طرف ۲۰۰ کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے جو سفید کوہ اور سیاہ کوہ پہاڑی سلسلوں سے مل کر شمال کی طرف بند ترکستان سے جا ملتا ہے۔ افغانستان کے تقریباً تمام دریاؤں کے سرچشمے ہزارہ جات کے کوہستانی علاقوں سے پھوٹتے ہیں مثلاً دریائے ھیلمند (HELMAND) ہری رود (HARIRUD) خاش رود (KHASHRUD) - دریائے کابل (DARYAE-KABUL) مرغاب (MURGHAB) ارغنداب (ARGHANDAB) وغیرہ۔

ہزارہ جات قدرتی معدنی خزانوں سے مالا مال ہے انیسویں صدی کے آغاز میں ہزارہ باشندے خود بھی انتہائی سادہ اور ابتدائی طریقوں سے فولاد۔ تانبا۔ قلعی اور گندھک نکال لیتے تھے ہزارہ جات میں حقیقی معنوں میں کوئی جنگل نہیں۔ لیکن وہاں ایسی جھاڑیاں اور گھاس پھوس کثرت سے پائی جاتی ہیں جن سے علاقوں کے لوگ جلانے اور دیگر ضروریات کا کام لیتے ہیں ہزارہ جات کے بعض علاقوں میں کالینوز (بید کی ایک قسم) چنار اور اپوا جیسے مفید درخت بھی پائے جاتے ہیں۔

ہزارہ جات کے وسیع وعریض کوہستانی اور میدانی علاقے سرسبز چراگاہوں اور سبزہ زاروں سے ڈھکے ہوئے ہیں[1] جس کی وجہ سے ہمسایہ اقوام باالخصوص افغان کوچی (خانہ بدوش) ہمیشہ اس کوشش میں لگے رہے کہ ان علاقوں پر کسی نہ کسی طرح قبضہ جما سکے۔

افغانستان کے دیگر علاقوں کے برعکس ہزارہ جات کی آب و ہوا انتہائی سرد ہے وہاں سردیاں چھ مہینوں پر محیط ہوتی ہیں عموماً اکتوبر کے آواخیر میں

---

[1] کلیات ریاضی صفحہ ۴۵

برف پڑتی ہے جو مئی کے آخیر تک برقرار رہتی ہے

انیسویں صدی کے دوران جو ہزارہ قبائل ہزارہ جات میں آباد تھے ان کے نام یہ ہیں

شیخ علی۔ بہسود۔ دی زنگی۔ دی زینیات۔ دی کنڈی۔ گاوی۔ جاغوری۔ دی چوپان۔ دی میرداد۔ چورہ۔ اورزگان اور سلطان احمد وغیرہ۔ شیخ علی قبیلہ بامیان۔ درہ غوربند۔ کوہ دامن۔ دشت سفید۔ کوتل پغمان۔ گردن دیوال۔ بہسود اور خارزار میں آباد تھا شیخ علی قبیلے کی کچھ تعداد مشرقی بامیان اور کچھ شیبر اور کوتل عراق میں بھی رہائش پذیر تھی جبکہ ترکمن دریائے ھیلمند کے سر چشموں کے علاقے میں رہائش رکھتے تھے بہسود قبیلہ ایسے علاقے میں آباد تھا جو شمال میں شیخ علی اور بامیان شمال مغرب میں دی زنگی جنوب میں دایہ اور فولاد اور مشرق میں گل کو سے متصل ہے مذکورہ علاقہ انتہائی گنجان آباد تھا جس میں ۳۰۰ گھرانوں (تقریباً ۱۵۰۰ افراد) پر مشتمل گردن دیوال اور ۴۰۰ گھرانوں (۲۰۰۰ افراد) پر مشتمل سیاہ سنگ زیادہ مشہور ہیں ان کے علاوہ خارزار۔ دیوال قول۔ فراخ الوم۔ راقول۔ کج قول۔ کوہ بیرون۔ بادآسیاب۔ شش برج۔ غار مانی نشاندہ شش تانہ۔ برجک قاف تیرائی۔ اور خلم کا شمار بھی بہسود کے اہم مقامات میں ہوتا تھا[1] دی زنگی قبیلہ کوہ بابا کے دامن میں آباد تھا ان کا علاقہ مغرب میں دی کنڈی۔ شمال میں بلخاب مشرق میں بامیان اور بہسود جنوب میں دریائے ھلمند تک پھیلا ہوا تھا۔[2]

۱۹ ویں صدی کے دوران دی زینیات قبیلے کے لوگ بادغیس میں آباد تھے جوہرات کے مشرق میں واقع ہے بادغیس کاش اور کوشک دریاؤں کا سر چشمہ ہے قلعہ نو کا شمار وہاں کے مضبوط اور محفوظ ٹھکانوں میں ہوتا تھا قلعہ نو کاش کے مشرق میں واقع ہے اور اسکا شمار وہاں کے گنجان آبادی والے

---

[1] بہسود طائفہ ان گروہوں میں منقسم ہے۔ چوپان۔ ابدال۔ پہلوان۔ دولت پائی۔ قمبر علی۔ خالقدادی۔ فولادی۔ مرگ۔ بہسود۔ دھکن۔ دہ مردگان۔ سکپا۔ دی میرداد۔ داراب علی۔ درویش وغیرہ

[2] دی زنگی کی سرزمین ۳۰ حصوں پر مشتمل ہے جن میں یکاولنگ۔ کوچک۔ کودک نیک۔ سیاہ در۔ سرجنگل۔ تخت ورس۔ نرگس۔ پنجاب۔ غرغری۔ اختیار۔ ترکاس گودر۔ گندہ آب۔ اترپس وغیرہ قابل ذکر ہیں

علاقوں میں ہوتا ہے اس وقت وہاں ایک ہزار سے زیادہ گھرانے آباد تھے

دی زینیات قبیلہ مزید ۳۰ گروہوں میں منقسم ہے کاکہ اور ماملکہ کا شمار دی زینیات قبیلے کے طاقتور ترین گروہوں میں ہوتا ہے وہ درہ آب کاکہ۔آب میرہ۔ فیروستان۔ سرخاب اور ایغوری (جو قلعہ نو کے اطراف میں واقع ہے) میں آباد تھے

دی زنگی اور دی کنڈی قبائل کے لوگ کوشک اور کمر کی دریاؤں کے کنارے پر آباد تھے جو بند زندہ۔ہاشم اور بند گندہ آب پہاڑی سلسلوں کے درمیان ہیں تاتار قبائل ۸ اویں صدی کے وسط تک دی زینیات بلخاب خلم اور دوآب میں آباد تھے

دی کنڈی کے مندرجہ ذیل پانچ طائفے تھے

دولت بیگ۔ روشن بیگ۔ حیدر بیگ۔ غاوش اور برات۔ وہ غور کے مغربی علاقوں میں رہائش پزیر تھے دی کنڈی کا علاقہ جنوب مشرق میں دی چوپان اور گیزاب شمال مشرق میں دی زنگی اور شمال میں چخران تک پھیلا ہوا ہے۔ دی کنڈی کا بہترین اور سبز ترین علاقہ گزاب ہے جو کشمیر ہزارہ جات کے نام سے مشہور ہے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ہزارہ قوم سے پہلے وہاں تاجک آباد تھے [۱]

۔ گاوی قبیلہ غور میں کوہ ہندوکش کے شمالی سلسلوں کے دامن اور شیخ علی کے شمال مشرقی علاقوں میں آباد تھا

۔غزنی کے قبائل ناہور۔ قرہ باغ اور سرآب میں آباد تھے غزنی۔ جغتو۔ محمد خواجہ اور نی یا چار دستہ قبائل پر مشتمل ہے جاغوری قبیلہ جن علاقوں میں آباد تھا ان میں دادی ارغنداب۔ سنگ ماشہ۔ جرمتو۔ جولہ اور درہ سوختہ شامل ہیں جاغوری کا علاقہ شمال میں اجرستان مشرق میں قرہ باغ۔ مقر اور ریستاں مغرب میں مالستان اور اورزگان اور جنوب میں وارازن تک پھیلا ہوا ہے

---

[۱] دی کنڈی میں مندرجہ ذیل علاقے شامل ہیں

بندر دی کنڈی۔ ہزارہ۔ شنیہ تخت۔ (سنگ تخت) آومرک۔ تمیزان۔ چہار اسپان۔ شنیہ اشتری۔ تخت۔ کورک۔ کمسان وغیرہ

جاغوری کے سات طائفے تھے

پاشا پاشائی ۔ قلندر ۔ گاری ۔ یازوری ۔ باغوچری اور عتاک ۔ فولادی قبیلہ جس علاقے میں بود و باش رکھتا تھا وہ مالستان کے نام سے مشہور ہے اسکی شمالی اور مغربی سرحدیں آزاد اور خود مختار ہزارہ جات میں تھیں جبکہ مشرق میں محمد خواجہ اور چار دستہ (غزنی) اور جنوب میں جاغوری سے متصل تھیں ۔ ہزارہ جات میں باغنی سے لے کر قلات غلجائی کے تمام علاقوں میں دی چوپان قبیلے کی رہائش تھی وہاں کے گنجان آبادی والے علاقوں میں چالہ کور ۔ دالہ ۔ تیرین ۔ دی رباط اور دیال وغیرہ شامل ہیں دی رباط اور دی چوپان کے دیگر علاقوں میں ہزارہ قبائل کے علاوہ افغان بالخصوص غلجائی بھی بود و باش رکھتے تھے ان کے علاوہ درانی افغان جو افغانستان کے جنوبی علاقوں سے ہجرت کر کے آئے تھے انہوں نے بھی وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی

دی چوپان تین طائفوں ۔ وچک ۔ اوراسی اور باتیان پر مشتمل ہے اور زگان ہزارہ قوم کا ایک اور بڑا قبیلہ ہے وہ دی چوپان کی سرزمین کے جنوب میں آباد تھے ان کے مغرب میں چورہ ۔ مشرق میں جاغوری اور شمال میں سلطان احمد زاولی ۔ میر آدینہ ۔ دایہ اور فولاد قبائل آباد تھے اور زگان قبیلہ مندرجہ ذیل طائفوں پر مشتمل ہے

نیکروز ۔ شیخہ ۔ پہلوان ۔ فیروز ۔ سید درویش ۔ حسینی ۔ قدم ۔ بہسود اور باتیمور

۔ دایہ اور فولاد قبائل جہاں آباد تھے وہ علاقہ اجبرستان کہلاتا تھا

ہزارہ قوم کے افغانستان کی دیگر اقوام سے روابط نے ہزارہ قوم کی سیاسی معاشی اور معاشرتی زندگی پر بہت اثرات مرتب کئے ۔ اس سلسلے میں زیر نظر زمانے کو زیادہ اہمیت حاصل ہے جب ہزارہ جات کی جغرافیائی حالت کے پیش نظر ہزارہ قوم کی سیاسی معاشی اور معاشرتی زندگی ایک خاص نہج پر استوار ہوئی (اس موضوع پر بعد میں تفصیل سے بحث کی جائیگی) ہزارہ جات میں معاشرتی

زندگی نے بہت سست روی سے پرورش پائی اور افغانستان کی دیگر اقوام خصوصاً
تاجکوں کی نسبت ہزارہ قوم کی معاشرتی زندگی نے انتہائی کم رفتار سے ترقی کی

چونکہ ہزارہ جات دشوار گزار پہاڑی علاقوں کے درمیان واقع ہے اس لئے بیرونی دنیا کے ساتھ ان کے تجارتی روابط بھی قائم نہ ہو سکے جس کی وجہ سے وہاں مختلف ہزارہ قبائل کی آزاد اور خود مختار حکومتوں کے قیام کی راہ ہموار ہوئی ایسے علاقے جن میں ہزارہ عوام نہ صرف اپنے مخصوص معاشرتی ماحول کے مطابق زندگی بسر کر سکے بلکہ غیر ہزارہ نشین علاقوں مثلاً کابل ھرات اور قندھار میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے اثرات سے خود کو محفوظ رکھ سکے

پیشے

زراعت۔ صنعت۔ تجارت

ہزارہ قوم کا خاص پیشہ زراعت اور مویشی پالنا ہے۔ وہ گندم۔ جو۔ مکئی تمباکو اور چارہ وغیرہ کاشت کرتے ہیں ہزارہ جات کے بعض علاقوں میں چاول بھی کاشت کیا جاتا ہے[1] زراعت نہری اور بارانی دونوں قسم کی زمینوں پر ہوتی ہے پانی کی قلت کے باعث پیداوار بہت کم ہوتی ہے (ماسوائے ان علاقوں کے جو دروں اور ہریرود ھلمند اور ارغنداب دریاؤں کے کنارے واقع ہیں) ہزارہ اپنے کوہستانی علاقوں کی ضروریات اور حالت کو بخوبی سمجھتے ہیں اور زرعی فنون میں یکتا ہیں۔ بالخصوص مالستان اور اجرستان تو زراعت کے میدان میں کافی ترقی یافتہ ہیں

ہزارہ حیوانی کھاد سے عموماً بالکل استفادہ نہیں کرتے جلانے کی لکڑیوں اور ایندھن کی کمی کے باعث وہ حیوانی کھاد (گوبر وغیرہ) کو جلانے پر مجبور ہیں

وہ اپنی زمینوں پر خوب ہل چلاتے ہیں پھر ان کی آبیاری کے لئے خوب مشقت کرتے ہیں تب کہیں جا کر پیداوار حاصل کرتے ہیں زراعت خصوصاً چاول کی کاشت کا مرحلہ انتہائی مشقت طلب ہوتا ہے چھوٹی بڑی پتھریلی زمینوں کو انتہائی مشقت کے بعد کاشت کے قابل بنایا جاتا ہے ہزارہ جات میں ربیع اور خریف دونوں فصلوں کی کاشت ہوتی ہے زمین پر ہل چلانے کے اہم کام کا آغاز مئی اور جون میں کیا جاتا ہے[2] ہزارہ پہاڑی علاقوں میں زراعت اور آبپاشی کے مخصوص طریقوں پر عمل کرتے ہیں جو انتہائی دلچسپ ہیں یاورسکی اور میسن نے اپنی تحریروں میں ان طریقوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے[3]

---

[1] ہزارستان (روسی ترجمہ) صفحہ ۱۰۰۔ اور مرکزی ایشیاء صفحہ ۱۰۲

[2] ای۔ برنس ۸ ؍ مئی ۱۸۳۰ء کو۔ کوتل اونی پہنچا جہاں سے ہزارہ جات کا آغاز ہوتا ہے وہ اپنی ایک یادداشت میں لکھتا ہے کہ میں ہزارہ قوم کے سرد علاقے میں پہنچ چکا ہوں جہاں لوگ ہل چلانے اور بیج بونے میں مشغول ہیں جبکہ کابل میں فصلوں کی کٹائی ہو رہی ہے اور پشاور میں گندم کو پیس کر آٹا بنانے کا وقت ہے

[3] افغانستان اور بخارا کے درباروں کی سیر صفحہ ۶۲۶

زیریں یعنی گرم علاقوں کے لوگ پھلوں اور دوسرے درختوں کے باغات کے مالک ہوتے ہیں ان علاقوں میں انگور۔ انجیر۔ اخروٹ اور مالٹے کی کاشت کی جاتی ہے[1]

گندم کو پانی یا ہوا سے چلنے والی چکیوں کے ذریعے پیسا جاتا ہے جبکہ بعض لوگ دستی چکیوں کے ذریعے بھی آٹا پیستے ہیں سردیوں کے دوران جب پانی کی قلت ہوتی ہے یا پانی منجمد ہو جاتا ہے تو انہی دستی چکیوں کو کام میں لایا جاتا ہے (یاد رہے کہ ہزارہ جات میں سردیاں چھ مہینوں پر محیط ہوتی ہیں)

ہزارہ عموماً بھیڑوں کی افزائش پر زیادہ توجہ دیتے ہیں ان کے علاوہ وہ اونٹ گھوڑے بکری گائے گدھے اور خچر بھی پالتے ہیں اونٹ اس لئے پالتے ہیں کہ ان سے اون حاصل کیا جاتا ہے ہزارہ جات کے گھوڑے اپنی کوتاہ قامتی کی وجہ سے مشہور ہیں اسکے علاوہ وہ اپنی طاقت تحمل اور تیز رفتاری میں بھی یکتا ہیں انہیں پہاڑی علاقوں کے لئے انتہائی کارآمد تصور کیا جاتا ہے کیونکہ وہ ان پہاڑی علاقوں کی مشکلات کے عادی ہیں یہ گھوڑے ہر قسم کے دشوار گذار اور ارتفاعی اور نشیبی علاقوں سے ۸۰ تا ۱۰۰ کلوگرام وزن کے ساتھ گذرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں بعض علاقوں میں تو ان گھوڑوں کو نعل بھی نہیں لگایا جاتا

ہزارہ صحتمند بھیڑیں پالنے میں مشہور ہیں ان بھیڑوں سے سال میں ۲ مرتبہ اون حاصل کیا جاتا ہے خزاں کے موسم میں حاصل ہونے والے اون کو بہترین تصور کیا جاتا ہے اس سلسلے میں سرخ رنگ کی بھیڑوں کو زیادہ ترجیح دی جاتی ہے ماہرین ہزارہ جات کے اون کو افغانستان کا بہترین اون قرار دیتے ہیں

ہزارہ جات سطح مرتفع پر واقع اپنی زرعی زمینوں کی وجہ سے مشہور ہے زراعت اور کاشتکاری کی راہ میں بے پناہ مشکلات حائل ہونے کے باوجود ہزارہ عوام اپنی ضروریات زندگی کے حصول کی خاطر زراعت اور گلہ بانی میں مشغول رہتے ہیں ہزارہ جات میں سرسبز اور شاداب چراگاہوں کی کثرت ہے جن کی وجہ

---

[1] سفرنامہ (برنس) صفحہ ۳۲۰

سے وہاں گلہ بانی کو بہت فروغ حاصل ہوا ہزارہ جات میں زیادہ تر بھیڑ بکریاں ہی پالی جاتیں بڑے سینگوں والے جانور مثلاً گائے وغیرہ بہت کم پالے جاتے ہیں گھوڑے اونٹ گائے کی افزائش صرف جاگرداوں کے ہاں ہوتی ہے رعایا میں بہت کم لوگ ان کی افزائش کے قابل ہوتے ہیں ہزارہ جات کی گائیں دودھ دینے میں خاص شہرت رکھتی ہیں وہاں کی لسی مکھن پنیر اور زرد گھی پورے افغانستان میں مشہور ہیں[1] ہزارہ جات میں باربرداری کے زیادہ کام گدھوں سے لئے جاتے ہیں دی زینیات حبش گاوی اور تاتار ایسے قبائل ہیں جو زراعت کے ساتھ ساتھ گلہ بانی بھی کرتے ہیں[2]

ہزارہ جات میں محنت کی تقسیم (زراعت سے صنعت کی علیحدگی) ۱۹ ویں صدی کے اوائل اور ہزارہ جات کی تکمیل کے ابتدائی دنوں میں ہوئی صناعی اور اس کی بیرون ملک (ہزارہ جات) برآمد کے کام کا آغاز جاگیرداروں اور ان زمینداروں نے کیا جو کاشتکاری کے ساتھ ساتھ گلہ بانی بھی کرتے تھے وہاں صناعی (دستکاری وغیرہ) کے کام عموماً عورتیں ہی انجام دیتی تھیں لیکن چونکہ ہزارہ جات دشوار گزار کہستانی علاقوں پر مشتمل ہے اور وہاں قندھار۔ جلال آباد اور کابل جیسے گنجان آباد شہر بھی نہیں اس لئے وہاں کی صنعتی مصنوعات زیادہ نہ پھیل سکیں اور صرف گھروں کی سجاوٹ اور علاقے کے لوگوں کی ضروریات تک محدود رہیں صنعتی شعبے میں ہزارہ جات کی پسماندگی کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ ہزارہ جات کا افغانستان کے دیگر ترقی یافتہ صنعتی مراکز سے کوئی رابطہ نہیں تھا لہذا ہزارہ جات میں مخصوص طرز کی اشیا ہی بنائی جاتیں وہاں کے لوگ ان اشیا کی تیاری میں خاص مہارت رکھتے تھے ہر علاقہ کسی خاص شے کی تیاری میں شہرت رکھتا تھا وہاں کے لوگ عموماً جنگی ساز و سامان اور زرعی آلات کی تیاری میں ماہر تصور کئے جاتے تھے لیکن وہ صرف ضرورت پڑنے پر ہی مذکورہ کاموں میں ہاتھ

---

[1] کلیات ریاضی صفحہ ۴۵
[2] کلیات ریاضی صفحہ ۲۵۶۔ ۲۶۰۔ زمین اور عوام صفحہ ۲۰ وغیرہ

ڈالتے تھے زراعت اور کاشتکاری کے میدان میں زرعی اور تکنیکی آلات کی کمی کی وجہ سے اس شعبے میں بڑے بڑے ماہرین نے جنم لیا جو انتہائی مہارت سے اپنا کام سرانجام دیتے تھے یہ لوگ اپنا فن وراثت میں اپنی اولاد کو منتقل کر دیتے تھے اس لئے وہ اپنا ہنر اپنی بیوی بچوں اور خاندان کے دیگر افراد کو سکھاتے تھے

ہزارہ جات میں پارچہ بافی جوتا سازی کے علاوہ لوہے اور چمڑے کی گھریلو صنعتوں اور درزی اور سنار کے کام کا زیادہ رواج تھا وہاں بہترین قسم کی دریاں (گلم) اور اونی پارچہ جات (مثلاً برگ وغیرہ) بنائی جاتی تھیں جو ہزارہ جات سے باہر بھی بڑی شہرت کر رکھتی تھیں بھیڑوں کے اون سے بنایا جانے والا برک (BARAK) تو خاص شہرت رکھتا تھا برک کم عمر بھیڑوں کے اون سے تیار کی جانے والی ایک موٹی چادر ہوتی ہے جو انتہائی خوبصورت ہونے کے ساتھ بہت پائیدار بھی ہوتی ہے۔ ہزارہ جات کے ہمسایہ ملکوں میں برک بہت پسند کیا جاتا تھا اور وہاں کے لوگ اس کے لئے بڑی سے بڑی رقم دینے کے لئے تیار ہوتے تھے[1] اونٹ سے حاصل ہونے والے اون سے بھی ایک برک تیار کیا جاتا تھا۔ جس سے وہاں کے لوگ پہننے کا کام لیتے تھے۔ یہ برک بھی بہت شہرت رکھتا تھا اور اس کے خریدار بھی بہت تھے[2]۔ بڑی چادروں کو عموماً رنگا نہیں جاتا تھا کیونکہ ان کا اصلی رنگ آخر تک برقرار رہتا تھا۔

ہزارہ جات میں بکری کے بالوں سے بنائی جانے والی پارچہ جات اپنی پائیداری اور خوبصورتی میں بہت زیادہ شہرت رکھتی تھیں یہ پارچہ جات عورتیں عموماً اپنے ہاتھوں یا پھر انتہائی سادہ مشینوں کی مدد سے بناتی تھیں۔ ان کے علاوہ اونٹ اور بکریوں کے کھردرے بالوں سے خوبصورت دریاں بنانے کا رواج عام تھا۔

---

[1] ہزارستان صفحہ ۴۱۔ اور مرکزی ایشیاء صفحہ ۱۱۶

[2] افغانستان۔ ترکستان۔ فارس اور بلوچستان کا سفر صفحہ ۲۹۱۔ اور مرکزی ایشیاء صفحہ ۶

ہزارہ عورتیں خوبصورت دستانے جراب اور مفلر بنانے میں خاص مہارت رکھتی تھیں۔ وہ اپنی تخلیق کی ہوئی اشیاء کو مزید خوبصورت بنانے کے لئے ان پر رنگائی کا کام بھی کرتی تھیں (اس سلسلے میں عموماً قدرتی اور نباتاتی رنگوں سے کام لیا جاتا تھا) ان اشیاء کی بنائی کے وقت یا تو خوبصورت نقش و نگار بنائے جاتے تھے یا پھر بعد میں برش سے کام لیا جاتا تھا[1]

سیاحوں کی اطلاعات (اور افغانستان میں دستیاب ذرائع) کی رو سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں ہزارہ جات کے لوگ دھاتوں کے استعمال سے بھی بخوبی واقف تھے۔ جے ووڑ کا کہنا ہے کہ ہزارہ جات میں تانبے اور گندھک کے وسیع ذخائر موجود ہیں جن کے بارے میں نیچے دیئے گئے کتابوں سے معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں[2] اسی طرح زرعی آلات مثلاً کدال۔ بیلچے۔ پھاوڑے۔ ہتھوڑے اور ہل بھی ہزارہ جات میں تیار ہوتے تھے۔ ہزارہ کاریگر اپنے فن میں استاد تصور کئے جاتے تھے وہ اسلحہ بناتے وقت ان پر بہترین نقاشی اور کندہ کاری بھی کرتے تھے۔ ایسے لوگ زراعت پر عموماً کم ہی توجہ دیتے تھے لیکن بے کاری کے دنوں میں زراعت اور گلہ بانی بھی کرتے تھے لہذا دھاتی اشیاء کی پیداوار کے میدان میں محنت کی مکمل تقسیم ابھی نہیں ہوئی تھی۔

ہزارہ کاریگر علاقے کے جاگیرداروں حاکموں اور عوام کی خواہشات کے مطابق اپنی دوکانوں میں سرد اور آتشیں اسلحے کے علاوہ خوبصورت زیورات بھی بناتے تھے۔[3]

---

[1] فیرئر کے مطابق ہزارہ عورتیں اتنی ہنرمند تھیں کہ ایران اور افغان جاگیرداروں کی اکثریت ان کی بنی ہوئی برک سے اپنا لباس تیار کرتے تھے (افغانستان۔ فارس۔ ترکستان اور بلوچستان کا سفر صفحہ ۱۹۲-۱۹۳-۹۴- ۱۸۹۲ کی قومی تحریکوں کے بعد کابل کے کارخانوں میں (ہزارگی برک) بنائے جاتے تھے۔ جہاں وہ ہزارہ عورتیں کام کرتی تھیں جنہیں عبدالرحمان کے فوجی ہزارہ جات سے گرفتار کر کے زبردستی کابل لے آئے تھے (سراج التواریخ صفحہ ۱۰۹۲)

[2] کابل میں روسی مشن صفحہ ۷۵۔ حیات افغانی صفحہ ۴۶۳ آمو کا سفر صفحہ ۱۲۸ سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۱۱۵۹۔ پنجاب۔ افغانستان۔ ترکستان۔ بلخ۔ بخارا۔ اور ہرات کا سفر صفحہ ۸۳

[3] متمم احصائیوی ہزارہ صفحہ ۳۳۴۔ امیر اور میری ذمہ داریاں صفحہ ۲۰۷۔ سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۲۸۱۔ ۱۸۲۸ افغانستان کا جغرافیہ صفحہ ۲۶۴، ہزارستان صفحہ ۴، اور ترمزی سے کابل تک صفحہ ۱۱۔

ہزارہ جات کے پیداواری میدان میں چونکہ محنت کی مکمل تقسیم نہیں ہوئی تھی اس لئے مذکورہ بالا صنعتوں کے کاریگروں پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوئے چنانچہ ان صنعتوں کو زیادہ فروغ حاصل نہیں ہو سکا۔ ہزارہ جات کے عوام مال کے بدلے رقم کے اصول مبادلہ سے واقف نہیں تھے لہذا وہ مال کے بدلے مال کے اصول پر کاربند تھے۔ یعنی اپنی صنعتی پیداوار کے بدلے تاجروں سے کوئی اور شے وصول کرتے تھے[1]۔

ان دنوں ہزارہ جات میں مال کے بدلے رقم وصول کرنے کا کوئی رواج نہ تھا۔ ویسے بھی وہاں کے لوگ رقم یا کرنسی سے تقریباً ناواقف تھے تجارت اور اجناس کے تبادلے سے عموماً وہی لوگ واقفیت رکھتے تھے جو یا تو تجارتی قافلوں کی سربراہی کرتے تھے یا پھر ہزارہ جات کے سرحدی علاقوں میں بود و باش رکھتے تھے۔ ہزارہ جات کے وسطی علاقوں میں تجارت کی حالت بہت خراب تھی وہاں تجارتی مراکز کا تو نام و نشان تک نہ تھا۔ سرحدوں پر رہنے والے قبائل میں سے دئی زینیات کا تجارتی مرکز قلعہ نو (QALAE-NAO) تھا جس میں تقریباً ۱۰۰ دوکانیں تھیں۔ اسی طرح شیخ علی کا اہم تجارتی مرکز تالہ تھا ہزارہ جات میں اشیاء کے تبادلے کا قانون اپنی مکمل طبعی شکل میں رائج تھا اور عموماً اجناس کا اجناس سے اور پارچہ جات کا پارچہ جات سے تبادلہ کیا جاتا تھا اور بھیڑیں تبادلے کی اکائی تصور کی جاتی تھیں[2]۔

ہزارہ جات میں اجناس کا رقم سے تبادلے کا رجحان اس لئے بھی زیادہ نہ پنپ سکا کیونکہ ہزارہ جات دشوار گزار پہاڑی سلسلوں کے درمیان واقع ہے۔ اس لئے ہزارہ جات کی پیداوار زیادہ نہ پھیل سکیں جاگیرداروں کو ان کا حصہ اور

---

[1] مختلف ذرائع اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ہزارہ امراء رقم کی اہمیت سے بالکل نابلد تھے لہذا انہوں نے کبھی رقم کے حصول کے لئے کوئی اقدام نہیں کیا بلکہ تبادلہ ہمیشہ مال کے بدلہ مال کے اصولوں پر ہوتا تھا (بخارا کا سفر جلد ۲ صفحہ ۲۶۰۔ ۲۶۱ اور مرکزی اشیاء صفحہ ۱۱۳)

[2] سلطنت کابل جلد ۲ صفحہ ۲۲۵۔ مرکزی ایشیاء صفحہ ۱۱۲ بامیان اور خیوہ کے درمیان کا علاقہ صفحہ ۱۰ اور ہندوستان۔ افغانستان۔ بلوچستان۔ پنجاب اور ان کے ہمسایوں کے بارے میں معلومات جلد ۱ صفحہ ۲۵۸

کسانوں کو ان کی مزدوری کے عوض پیداوار کا کچھ حصہ دینے کے بعد عموماً زمیندار اپنی ضرورت کے مطابق پیداوار کا کچھ حصہ رکھ لیتا اور باقی اجناس منڈی میں لے جاتا۔ جہاں ضرورت کی دیگر اشیاء سے ان کا تبادلہ کیا جاتا تھا۔

تبادلے کے لئے عموماً اجناس کی بہت کم مقدار کو کام میں لایا جاتا تھا اس لئے لوگ زیادہ مقدار میں پیداوار کے حصول کو غیر ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ وہ صرف اپنی ضروریات کی تکمیل کی خاطر ہی اضافی مقدار میں کاشت کرتے کیونکہ انہیں رقم یا دیگر اضافی پیداوار کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ ہزارہ جات میں عوام کو تجارت کی اہمیت کا زیادہ احساس نہ تھا اس ضمن میں ہارلان کہتا ہے کہ ۱۹ ویں صدی کی تیسری دہائی کے دوران جو اشیاء فروخت کی غرض سے ہزارہ جات لائی جاتیں سال بھر میں ان کی قیمت دس ہزار سے زائد نہ بنتی ان اشیاء کی خریداری وہاں کے جاگیردار ہی کرتے[1]۔ ہزارہ جات سے فروخت کے لئے شال۔ گلم۔ قالین۔ اور برک وغیرہ غزنی۔ ہرات۔ کابل۔ قندھار۔ بلخ۔ قندوز۔ مزار شریف اور دیگر شہروں میں لے جائے جاتے۔

اس کے علاوہ گائے بھیڑ اور بکریاں ہزارہ جات سے برآمد کی جاتیں وہاں کے زرد گھی کو تو باہر کے شہروں میں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا تھا

ہزارہ تاجر اپنی اشیاء کبھی کبھار خراسان (قائن و بیرجند) اور جنوب مرکزی ایشیاء (تخت بازار) بھی لے کر جاتے جہاں سے وہ اپنی اشیاء کے بدلے روئی نمک چاول (جو دیورزہ کہلاتا تھا) چائے چینی کاغذ اور ریشمی پارچہ جات لے آتے[2] قافلوں کی گزرگاہوں کے قریب رہائش رکھنے والے قبائل عموماً اپنی اشیاء قافلوں کے پڑاؤ پر لے جاتے جہاں قافلے کے ساتھ سفر کرنے والے تاجران کی اشیاء خرید لیتے تھے دی زینیات کے لوگ عموما اپنی مصنوعات قلعہ نو لے کر جاتے جہاں قافلوں کے ساتھ آنے والے تاجران کی مصنوعات خریدتے جنکو بعد

---

[1] مرکزی اشیاء صفحہ ۱۳۱-۱۳۲۔

[2] حیات افغانی صفحہ ۴۶۵۔ مرکزی اشیاء صفحہ ۱۱۶ اور افغانستان۔ ترکستان۔ بلوچستان۔ پنجاب اور فارس کا سفر صفحہ ۱۹۲۔

میں شمالی ایران اور افغانستان کے مختلف علاقوں میں لے جاکر فروخت کیا جاتا تھا[1]

دوسری جانب سے تاجر ماچس - مٹھائی - بندوق - نسوار کی ڈبیا - یورپ کے بنے ہوئے چاقو - چینی - فرانس کی بنی ہوئی اشیاء (جنہیں مشہد سے لایا جاتا تھا اور ہندوستان کی سبز چائے ہزارہ جات لاتے - ایران ہندوستان - افغانستان اور مرکزی ایشیاء کے تجار ہزارہ جات عبور کرتے وقت دیگر اشیاء کے علاوہ سوئی دھاگہ عورتوں کے بناؤ سنگھار کی مصنوعات اور خاص طور پر چینی اور نمک بھی ہزارہ جات لے آتے -

ہزارہ جات گھوڑے - چاول - روئی اور نمک ترکستان سے دھاتی اشیاء بالخصوص ہندوستان کے آتشین اسلحے بیلچے ہل اونی پارچہ جات کپڑے کشمش قالین اور تمباکو کابل اور ہرات سے درآمد کرتا تھا[2] باہر کے تجار خصوصاً ترکستان کے تاجر ہزارہ جات آتے تو واپسی پر اپنے ساتھ بعض غلام بھی لے جاتے ان غلاموں کو ہزارہ جات کے جاگیر دار بعض اشیاء کے بدلے ان تاجروں کے ہاتھ فروخت کرتے تھے تاجر عموماً انہی جاگیرداروں کے ہاں قیام کرتے اور انہی کی پشت پناہی میں اپنا کام سرانجام دیتے تھے - عوام بذات خود سال میں صرف ایک مرتبہ لین دین کے امور انجام دیتے اور عموماً اسی دوران اپنی ضرورت کی اشیاء کی لین دین کرتے تھے - صحیح معنوں میں تجارت صرف وہی ہزارہ قبائل کرتے جو یا تو ہزارہ جات کی سرحد پر یا پھر تاجکوں کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے ان علاقوں میں زراعت گلہ بانی اور صنعت کے شعبوں میں محنت کی مکمل تقسیم ہو چکی تھی مثلاً غزنی کے مغرب میں رہنے والے ہزارہ انتہائی منظم طریقوں سے مویشی پالتے اور پھر ان کی کھالیں اور اون غزنی لے جا کر فروخت کرتے جہاں سے ان کے بدلے آٹے اور گندم کی خریداری کرتے اسی طرح دی زنگی کے تاجر

---

[1] مرکزی ایشیاء کی سیاحت صفحہ ۱۳۲ - ۱۳۳

[2] حیات افغانی صفحہ ۲۶۵ اور سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۲۴۳ - ۲۵۳

زرد گھی کہمرد (KOHMARD) لے جاتے اور وہاں کے تاجکوں سے اس کے بدلے مختلف اجناس۔ بناسپتی گھی اور میوہ جات حاصل کرتے[1]۔ افغانستان کے شہروں کی نسبت ہزارہ جات میں پسماندگی کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ وہاں کے لوگ تجارتی اشیاء کی خریداری کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ ان میں سے اکثر انتہائی کسمپرسی کی زندگی گزارتے تھے ان کی بے چارگی اور غربت کا یہ حال تھا[2] کہ بعض بنیادی ضرورت کی اشیاء مثلاً نمک کا حصول بھی ان کے لئے ممکن نہ تھا[2]۔ افغانستان کو نمک مشرقی ہندوستان کی ایک کمپنی برآمد کرتی تھی جس کی قیمت بھی بہت بڑھ گئی تھی۔

تجارت کے فروغ کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہزارہ قوم کے دینی اور مذہبی عقائد تھے اس سلسلے میں شیعہ سنی اختلافات نے ہزارہ قوم کو بہت نقصان پہنچایا کیونکہ ہزارہ غیر شیعہ افراد کے ساتھ لین دین کو انتہائی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے خصوصاً سید حضرات ان باتوں کا ہمیشہ اظہار کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ہزارہ جات میں صرف وہی تاجر داخل ہو سکتے تھے جو شیعہ ہوتے ان شرائط پر چونکہ صرف قزلباش اور ایرانی ہی پورا اترتے تھے۔ اس لئے صرف وہی ہزارہ جات میں تجارت کی غرض سے آجا سکتے تھے[3]۔ ۱۹ویں صدی کے اواخر میں ہزارہ خوانین اور امراء کی سیاست نے بھی تجارت کے فروغ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں۔ ان کی سیاست دراصل ہزارہ جات کے تحفظ کی خاطر تھی اور اصل مقصد ہزارہ جات میں غیروں کے نفوذ کا سدباب کرنا تھا۔ چنانچہ وہاں غیروں کی آمدورفت پر بالکل پابندی عائد کر دی گئی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ افغان تاجر تجارت کی آڑ میں دراصل کابل حکومت کے لئے جاسوسی کرتے ہیں لہذا ہزارہ خوانین کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی کہ وہ ان افغان تاجروں سے ہوشیار رہیں تاکہ ان کی

---

[1] غلزیوں کی سرزمین کے بارے میں صفحہ ۳۴۴ اور مرکزی ایشیاء صفحہ ۸۷۔۸۸

[2] انگریزی روزنامے گیزیٹر کے مطابق ہزارہ غربت و افلاس کی وجہ سے تجارت کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے اور غربت کا یہ عالم تھا کہ ان کی اکثریت نمک جیسی سستی شے کی خریداری بھی نہیں کر سکتی تھی

[3] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۱۰۳۔۶۵۳ اور حیات افغانی صفحہ ۵۶۴

سازشوں سے ہزارہ جات کو محفوظ رکھ سکیں۔

ان حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ دور میں ہزارہ انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے تھے وہ نقط ہلکی پھلکی کاشتکاری اور گلہ بانی کرتے تھے زراعت ہی ان کا اصلی اور بنیادی پیشہ تھا۔

ہزارہ جات کی معاشی زندگی میں صنعتی اشیاء کی پیداوار کو بھی بڑی اہمیت حاصل تھی جن میں زیادہ تر گھریلو مصنوعات شامل تھیں۔ وہاں بعض علاقوں میں محنت کی تقسیم یعنی زراعت سے صنعت کی مکمل علیحدگی ہو چکی تھی اور بعض ایسے صنعتی گروہ بھی وجود میں آچکے تھے جن کے لئے زراعت محض ایک جز وقتی کام کی حیثیت رکھتا تھا۔

افغانستان کے شہروں کی نسبت ہزارہ جات کے بعض علاقوں میں انتہائی ابتدائی سطح پر رقم اور اجناس کا لین دین ہوتا تھا جبکہ اکثر علاقوں میں لین دین ان ہی خاص بنیادوں پر ہوتا تھا یعنی مال کے بدلے مال بیرونی وسائل سے صرف وہاں کے حاکم طبقات ہی استفادہ کر سکتے تھے۔

ہزارہ جات اور دیگر ہمسایہ ممالک کے درمیان تجارتی روابط ایرانی اور مرکزی ایشیاء کے تاجروں کے علاوہ بعض افغان (قزلباش) تاجروں کے توسط سے قائم تھے ہزارہ تاجروں کی تعداد بہت کم تھی جوان افراد پر مشتمل تھی جو سیاحت کی غرض سے ہزارہ جات کے ہمسایہ ملکوں میں جاتے تو اپنے ساتھ مجبوراً کچھ اشیاء بھی تجارت کی غرض سے لے جاتے۔

--*-*-*-*

ہزارہ جات کی معاشی اور معاشرتی حالت

۱۹ ویں صدی عیسوی کے دوران ہزارہ جات میں مکمل جاگیرداری نظام رائج تھا اور وہاں کا حاکم طبقہ انہی جاگیرداروں پر مشتمل ہوتا تھا جو میر خان یا سلطان وغیرہ کہلاتے تھے۔ وہ اپنے قبیلوں کے سربراہ ہوتے تھے اور ملاؤں اور دیگر مذہبی نمائندوں کی نسبت زیادہ طاقت اور اثر رسوخ کے مالک ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ لوگوں میں ان کی حیثیت بھی زیادہ قابل قدر ہوتی تھی۔ حاکموں کا دوسرا طبقہ ان کے دوستوں ملازموں اور مسلح فوجیوں پر مشتمل ہوتا تھا جو جاگیرداروں کی طاقت اور دہشت کی علامت سمجھے جاتے تھے اور اسی مقصد کے لئے غریب عوام پر مسلط تھے۔

محروم طبقہ تمام غریب ہزارہ عوام پر مشتمل تھا جن میں اکثریت کسانوں اور چرواہوں کی تھی۔ پیداواری ذرائع اوزار اور زمین وغیرہ جاگیرداروں ہی کی ملکیت ہوتے تھے ان کے علاوہ مویشیوں اور پانی پر بھی جاگیرداروں کا قبضہ ہوتا تھا۔ جن کے بل بوتے پر وہ غریب عوام پر حکمرانی کرتے تھے جن کی زندگیوں پر اگرچہ جاگیرداروں کا اختیار نہیں تھا لیکن وہ ان کسانوں کو فروخت کرنے کا اختیار ضرور رکھتے تھے۔

ہزارہ جات ایک ایسی سرزمین ہے جو افغانستان کی حدود میں شامل ہونے سے بہت پہلے مختلف جاگیروں میں منقسم تھی۔ زمین اور پانی پر صرف جاگیرداروں کا حق تھا (البتہ ہزارہ جات میں اس بات کی ممانعت نہیں تھی کہ کوئی دہقان یا مزدور پیداواری اوزار کا مالک ہو یا وہ اپنے زور بازو سے ان اوزار سے فائدہ اٹھائیں) مناسب ہوگا اگر ہم ہزارہ جات کی معاشی اور معاشرتی حالت کا اس انداز سے جائزہ لیں کہ حاکموں کے ہر طبقے پر علیحدہ اور تفصیلی بحث ہو کیونکہ صرف اسی طریقے سے ہزارہ قوم کی معاشی اور معاشرتی حالت کا جائزہ لینا ممکن ہوگا اور بالاخر ایک بہتر نتیجے پر پہنچنے میں آسانی ہوگی اسے کارل مارکس

تاریخ کے مطالعے کا نام دیتا ہے

طریقہ پیداوار ۔ عام شرائط کی موجودگی۔ غیر متوقع تجربی شرائط کی پیدائش فطری عوامل اور مخصوص نسلی روابط جو تاریخ سے متعلق نہیں ہونے کے باعث سماجی روابط مختلف اشکال میں سامنے آتے ہیں۔ ارتقاء میں یہ غیر متوقع تجربی شرائط جو رول ادا کرتے ہیں انکے گہرے مطالعے سے ہی ہم یہ جان سکتے ہیں کہ مظاہر کے تغیر کے پس پشت کون سے حقیقی عوامل کارفرما ہیں۔

جس طرح پہلے بھی ذکر کیا جاچکا ہے کہ ہزارہ معاشرے میں حاکم طبقہ جاگیرداروں انکے کنبے کے افراد اور قبیلے کے عمائدین پر مشتمل ہوتا تھا۔ قبیلے کے ان عمائدین کو مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا تھا بعض القاب انہیں ہمسایہ قبائل کی جانب سے بھی عطا کئے جاتے یا دوسری صورت میں وہ خود ہی ان کا انتخاب کرتے مثلاً خان میر بیگ سلطان تورک خان اور کل اختیار وغیرہ ان میں سب سے اہم لقب " میر" ہوتا تھا جسے عربی لفظ امیر سے اخذ کیا گیا ہے امیر کے معنی ہیں حاکم یا رہبر وغیرہ دئی زنگی۔ دی کنڈی اور بہسود کے بڑے اور طاقت ور حکمرانوں کو انہی القاب سے یاد کیا جاتا تھا۔

۱۹ ویں صدی عیسوی کے دوران ہزارہ جات میں ایک مضبوط جاگیرداری نظام قائم تھا جہاں امراء کی حکومت ہوتی تھی ان کے بعد مختلف قبیلوں کے روساء پر مشتمل طبقہ ہوتا تھا جنہیں مختار ۔ ارباب ۔ رئیس یا مالک وغیرہ کہا جاتا تھا یہ جاگیردار رعایا میں بہت اثر ورسوخ رکھتے تھے لیکن ہر کام خصوصاً مشکل وقت میں میر کے احکامات کے پابند ہوتے تھے میر بذات خود جنگی سازو سامان سے لیس ہوتا تھا اور اپنے علاقے کا سب سے طاقتور شخص تصور کیا جاتا تھا ارباب اور دیگر چھوٹے جاگیرداروں کی میر سے وفاداری اور اس کی اطاعت اس بات کی علامت ہوتی کہ وہ میر سے اتحاد کے خواہشمند ہیں

۱۸۱۹ - ۸۰ کے دوران ہزارہ جات میں کوئی متحدہ حکومت نہیں تھی بلکہ مراء اور بڑے بڑے جاگیردار اپنے علاقوں کے معاملات میں مکمل خود مختار

تھے وہ اپنے علاقے کے داخلی اور خارجی مسائل کو اپنی صوابدید کے مطابق حل کرتے تھے لیکن انتہائی اہم معاملات خصوصاً جنگ کے دنوں میں ایک بہت بڑا اجلاس منعقد کیا جاتا تھا جس میں تمام ہزارہ جات کے نمائندے شرکت کرتے[1] اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہزارہ جات میں ایک ایسی اجتماعی پلیٹ فارم کی تشکیل ہو چکی تھی جو جاگیر داروں کی ضروریات کو پورا کرتی مذکورہ اجلاس میں بیرونی حملوں کی صورت میں حملہ آوروں کے مقابلے بوقت ضرورت ہمسایہ علاقوں پر حملہ اور ان پر قبضہ کرنے کے علاوہ رعایا اور کسانوں پر جاگیر داروں کے تسلط کو مضبوط کرنے کے طریقوں پر غور کیا جاتا تھا جن پر بعد میں عمل بھی کیا جاتا

بالا دست طبقات (جاگیر دار وغیرہ) ہزارہ قوم کے وسائل پر مکمل قبضہ جما چکے تھے مثال کے طور پر تمام زرعی زمینیں اور چراگاہیں ان کے قبضے میں تھیں ہارلان کے مطابق قبیلے کا سربراہ علاقے کی تمام زمینوں کا مالک سمجھا جاتا تھا حتیٰ کہ چھوٹے زمینداروں کی زمینیں بھی میر ہی کی ملکیت تصور کی جاتی تھیں اور جب ان کے اصل مالکان فوت ہو جاتے تو ان کی زمینوں کو بحق میر ضبط کر لیا جاتا تھا رعایا کی دیگر جائیداد بھی میر ہی کی ملکیت ہوتی تھی[2] ذرائع کی کمی کے باعث ہزارہ جات کے ان امراء کے وجود میں آنے اور ان کے طاقتور بننے کے بارے میں نہیں جانا جا سکتا میر پہلے پہل بہت کم زمینوں کے مالک ہوتے تھے لیکن بعد میں انہوں نے علاقے کی تمام زمینوں پر قبضہ کر لیا اور بالآخر ہزارہ جات کے مالک بن بیٹھے البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہزارہ جات کے مختلف علاقوں میں ان جاگیر داروں کے حاکم بننے کے مختلف عوامل ہیں اس بات کے قوی امکانات ہیں کہ جن علاقوں میں جاگیر داروں نے اپنی زمینیں کاشت کاری کی غرض سے ہزارہ قوم (نکودریوں) کے حوالے کی وہاں وقت گزرنے کے

---

[1] مثلاً ۱۸۳۹ کے دوران جب انگریزوں نے افغانستان پر حملہ کیا تو ہزارہ جات کے عوام نے ایک بڑا اجلاس منعقد کیا جس میں تمام ہزارہ قبائل کے سرکردہ رہنماؤں نے شرکت کی

[2] مرکزی ایشیاء صفحہ نمبر ۱۳۶۔۱۴۹

ساتھ ساتھ یا شائد انتہائی مختصر عرصے میں ان میں سے بعض جاگیر دار زیادہ طاقت اور اثرورسوخ کے بل بوتے پر علاقے کے مطلق العنان حکمرانوں کی حیثیت اختیار کر گئے ہوں

ہزارہ جات میں بعض ایسے علاقوں کا بھی سراغ ملتا ہے جہاں جاگیرداروں نے پانی اور زمینوں پر زبردستی قبضہ کرلیا تھا مثلاً ۱۸۷۵ کے بعد جب ہزارہ جات کو کابل حکومت کے مقابلے میں شکست کا سامنا کرنا پڑا تو مغربی ہزارہ جات (دی زنگی) کے کسان کابل حکمرانوں کے پاس گئے اور مطالبہ کیا کہ ان کی وہ زمینیں واپس کر دی جائیں جنہیں امرا نے زبردستی ان سے چھین لیا تھا ان کسانوں کا کہنا تھا کہ امراء کی تمام زمینیں دراصل ان کی ہیں جنہیں امراء نے اپنے ملازموں کے ذریعے زبردستی ان سے چھینا ہے اس طرح انہیں ان زمینوں سے محروم کر دیا گیا ہے جو پشت در پشت ان کی چلی آرہی تھیں لیکن ان کسانوں کے پاس ایسی کوئی دستاویز یا سند نہیں تھی جس سے ان کے دعوے کا ثبوت ملتا ہو[1]

امرا بعض اوقات اپنی کچھ زمینیں اپنے ملازمین میں بھی تقسیم کرتے تاکہ ان سے لڑائیوں میں کام لیا جاسکے جبکہ بقیہ زمینوں کو کاشتکاری کی غرض سے رعایا کے حوالے کیا جاتا تھا کاشتکاری کے حقوق رعایا اور کسانوں میں موروثی طور پر منتقل ہوتے رہتے تھے چراگاہوں سے قبیلے کے ہر فرد کو استفادہ کرنے کی اجازت ہوتی تھی (زمینوں پر عوام کی ملکیت پر بعد میں بحث کی جائے گی) جبکہ باقی زمینوں پر میر کی حویلیاں اور قلعے تعمیر کئے جاتے تھے ان زمینوں پر کاشتکاری بھی کی جاتی جنکا تمام فائدہ میر ہی کو ملتا تھا ان زرعی زمینوں پر کسانوں اور رعایا سے بیگار لیا جاتا تھا حاصل شدہ پیداوار ایک خاص تناسب سے میر اور کسانوں میں تقسیم کی جاتی

مندرجہ بالا حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے ہزارہ جات میں زمینوں کی درجہ

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۱۰۱

بندی کی جا سکتی ہے جو کہ مندرجہ ذیل تھیں

۱۔امرا اور خوانین کی اپنی زمینیں جو کہ اپنے قبیلوں کے سربراہ بھی تھے

۲۔زمینیں جسے امراء اپنے ملازمین کو بخشش کے طور پر عطا کرتے

۳۔زمینیں جو رعایا کے تصرف میں تھیں

۴۔زمینیں جن سے تمام لوگ مشترکہ استفادہ کرتے تھے مثلاً چراگاہیں وغیرہ

۵۔ایسی زمینیں جو خاص افراد کی ملکیت ہوتی تھیں یہ زمینیں قبیلے کے بزرگوں کی ملکیت ہوتی تھیں یعنی وہ زمینیں جن کے مالک قبیلے کے ارباب رئیس اور مختار وغیرہ تھے جنہیں وہ اپنی مرضی سے استعمال کر سکتے تھے یعنی ان کی بخشش۔ وراثت اور خرید و فرخت کا حق رکھتے تھے ان کے علاوہ ہزارہ جات میں ایسی بھی زمینیں تھیں جو اوقاف کی ملکیت ہوتی تھیں (ان کا ذکر بعد میں کیا جائیگا)

جو زمینیں امراء کی مستقل ملکیت ہوتی تھیں ان سے انہیں بے انتہا فائدہ پہنچتا تھا کیونکہ بہترین زرعی زمینیں اور قطعات ان کے قبضے میں تھیں مثلاً جاغوری کے میر شیر علی خان کی زمینیں ایسی تھیں جن سے ۱۹ ویں صدی کے دوران ۶۰ ہزار روپے کی سالانہ آمدنی ہوتی تھی زمینوں کا مالک ہونے کی وجہ سے امراء اس بات کا قانونی حق رکھتے تھے کہ وہ اپنی رعایا اور کسانوں کے ساتھ حسب منشاء سلوک کریں بارلان کے مطابق ہزارہ جات میں کسان غلام اور (retainer) کی سی زندگی گزارتے تھے اور مکمل طور پر خوانین اور امراء کے تابع تھے رعایا کا کسانوں سے رشتہ اس فارمولے کے تحت تھا کہ اے مالک جو تو چاہتا ہے میری بھی وہی خواہش ہے ان دنوں وہاں نہ صرف رعایا اور امراء کے درمیان ایک واضح طبقاتی فرق وجود میں آچکا تھا بلکہ غربت اور ثروت مندی اپنے انتہا کو پہنچ چکی تھیں[1] امراء زمینوں کے علاوہ بڑی تعداد میں مویشیوں یعنی بھیڑ بکری گائیوں اور گھوڑوں کے بھی مالک ہوتے تھے جبکہ رعایا ان کے لئے چرواہوں کے کام سرانجام دیتے جن علاقوں میں زیادہ ترگلہ بانی کا رواج تھا

---

[1] ہزارستان صفحہ ۱۲

وہاں لوگ خانہ بدوشوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے ان علاقوں کے امراء بڑی بڑی چراگاہوں اور بڑی تعداد میں مویشیوں کے مالک ہوتے تھے اس بات کا مشاہدہ دی زینیات اور تاتار قبائل میں بخوبی کیا جا سکتا ہے لیمسٹرن جس نے دی زینیات اور تاتار قبائل کی زمینوں کا بڑے قریب سے مشاہدہ کیا ہے کہتا ہے کہ وہاں کے امراء گائے اور بھینسوں کی بڑی تعداد کے علاوہ کثیر تعداد میں بھیڑ بکریوں کے بھی مالک ہوتے تھے[۱] علاقے کے خود مختار میر کو علاقے کے دوکان داروں اور تاجروں سے مالیہ وصول کرنے کا بھی مکمل اختیار حاصل تھا اس کے علاوہ وہ مختلف اشیاء پر محصول لگانے اور چونگی مقرر کرنے میں بھی مکمل خود مختار تھے عموماً اشیاء کے چالیسویں حصے کے برابر ٹیکس وصول کیا جاتا تھا[۲] مضبوط قلعوں کی بدولت ہزارہ جات کو ایک محفوظ اور مستحکم علاقہ تصور کیا جاتا تھا ہر میر خان یا سلطان مضبوط قلعوں پر مشتمل درباروں کا مالک ہوتا تھا ان قلعوں کو عبدالرحمان کی فوج نے ۱۹ ویں صدی کی آخری دہائیوں کے دوران تباہ کر دیا[۳] یہ قلعے دراصل امراء کے گھر ہوتے تھے جن میں وہ اپنے کنبے کے ساتھ رہتے تھے[۴] ان کے کنبے کی تعداد عموماً بہت زیادہ ہوتی تھی قلعے عموماً پتھر اور گارے کی مدد سے بنائے جاتے جن کے چاروں طرف بلند و بالا مینار اور اطراف کے جائزے کی خاطر دیکھنے کی خاص جگہیں بنائی جاتیں ہر مینار میں دس سے بارہ افراد سما سکتے تھے عموماً قلعے کے محافظ ان میناروں کے اندر چھپ جاتے تھے اور خطرے کی صورت میں طبل بجا کر قلعے میں موجود تمام افراد کو خبردار کرتے

۱۔ کوہ بابا کی سرزمین صفحہ ۵٦۳

۲۔ ایسے ٹیکس عموماً تاجروں اور غیر مسلموں کے قافلوں سے وصول کئے جاتے تھے مالیات کا اطلاق قافلوں میں شامل اشخاص اور حیوانات پر ہوتا تھا مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے بخارا کا سفر جلد ۲ صفحہ ۲٦۵ ۔ ۲٦۴ مرکزی ایشیاء کی سیاحت صفحہ ۱۳۲ ۔ ۱۳۴ تاریخ ہرات جلد ۲ صفحہ ۳۲۹ ۔ ۳۳۲ اور بامیان اور خیوہ کے درمیان کا علاقہ صفحہ ۱۲

۳۔ سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۱۲۷

۴۔ ہر چھوٹے علاقے میں ایک قلعہ ہوتا تھا اور ایسے تمام قلعے میر کی ملکیت ہوتے تھے (مرکزی ایشیاء صفحہ ۹۸ ۹۹ بلوچستان۔ افغانستان اور پنجاب کے سفر کی روداد صفحہ ۳۰۳ ۔ ۳۰۴ ۔ ۳۳۵ ۔ ۳۷۸ ۔ ۴۴۲ ۔ ۴٦۳ اور افغانستان اور بخارا کے درباروں کی سیر صفحہ ۲۸۸

تھے[1] امراء عموماً کئی شادیاں کرتے اس لئے ان کا خاندان بھی بہت بڑا ہوتا تھا مثلاً میر اولقان (حالیہ مرکزی شہرستان) میر محمد رضا بیگ کا خاندان ۷۰ افراد پر مشتمل تھا امراء کی بیویاں جوان کے اپنے خاندان یا کسی دوسرے امیر کے خاندان سے ہوتی وہ وہاں کی سیاسی اور معاشرتی زندگی میں انتہائی اہم کردار ادا کرتیں انہیں عموماً آغی (AGHAI) کہا جاتا تھا[2] وہ نہ صرف دربار میں اپنے شوہر کے شانہ بشانہ موجود ہوتیں بلکہ مختلف مسائل پر اپنے خیالات کا اظہار بھی کرتیں وہ ہمیشہ مردانہ لباس زیب تن کرتیں اور مسلح ہو کر اپنے شوہر کے قریب بیٹھ جاتیں حتیٰ کہ بعض اوقات مختلف جنگوں اور حملوں کے دوران اپنے شوہر کا ساتھ بھی دیتیں[3] امراء کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی کہ اپنے نقش و نگار والے لباس سے لوگوں کو اپنی بڑائی اور برتری کا احساس دلائیں اپنی دولت اور امارت کی نمائش وہ اپنی گھریلو اشیاء کے توسط سے کرتے وہ ہمیشہ انتہائی بیش قیمت لباس زیب تن کرتے جن پر سونے کا کام ہوتا تھا وہ اپنے لئے جو شمشیر یا دیگر اسلحہ بنواتے وہ ساخت کے اعتبار سے بہترین ہوتا ان کے گھوڑے انتہائی طاقتور اور شاندار ہوتے تھے جن کی زین اور رکاب پر سونے اور چاندی کا کام ہوتا تھا اس کے علاوہ ان پر قیمتی پتھر بھی جڑے ہوتے تھے

ان کی بیویاں اپنے شوہر کی نسبت زیادہ قیمتی ملبوسات زیب تن کرتیں عید اور دیگر رسومات کا خصوصی طور پر اہتمام کیا جاتا تھا امراء اپنی بیٹیوں کی شادی کرتے تو

---

[1] تارنوسکی قلعوں کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ بلند مضبوط اور بڑے ہیں جن میں ۴۰۰ سے ۵۰۰ مسلح افراد آسانی سے رہ سکتے ہیں قلعہ کی چاردیواری پکی اور خراب حالت میں ہے لیکن ان میں بیسیوں مسلح افراد اور تیر انداز سما سکتے ہیں کیونکہ دیواروں میں تیر اندازی کے لئے مخصوص سوراخ موجود ہیں قلعوں کے چاروں طرف بلند و بالا مینار ہیں اور اس کے علاوہ خود قلعے کے اندر ایسی مخصوص جگہیں ہیں جہاں ۱۰۰ سے ۱۵۰ آدمی چھپ سکتے ہیں

[2] لفظ آغہ جو کہ شاید آغا یا آقا کی تانیث ہے میر کی ان بیوؤں کے لئے استعمال ہوتا تھا جو خود بھی امراء کے خاندان سے ہوتیں میر کی ان بیوؤں کو جو کہ عام رعایا سے تعلق رکھتیں آغہ نہیں کہا جاتا تھا البتہ ان کی بیٹیوں کو آغہ کہہ کر ہی پکارا جاتا تھا

[3] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۲۲۹-۲۳۰ سفرنامہ (برنس) جلد ۱ صفحہ ۳۲۵ افغانستان۔ ترکستان۔ بلخ۔ بخارا۔ ہرات اور پنجاب کا سفر صفحہ ۱۹۴ اور مرکزی ایشیاء صفحہ ۱۲۹-۱۴۶

بدلے میں بہت زیادہ تحفے تحائف وصول کرتے تھے (ان میں ہزاروں کی تعداد میں بھیڑ بکریاں گھوڑے سونے کے زیورات اور غلام شامل تھے) ان تحفے تحائف کے ذریعے دراصل جانبین اپنی امارت اور حیثیت کا مظاہرہ کرتے تھے[۱] امراء کی حیثیت اور دولت ان کی وفات کے بعد وراثت میں ان کی اولاد کو منتقل ہو جاتی تھیں بعض اوقات اقتدار پرامن طریقے سے منتقل نہ ہوتا یعنی میر کی وفات کے بعد اس کے بیٹے اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے جنگ وجدل کا راستہ اختیار کر لیتے تھے جو آگے چل کر قبیلوں کی جنگوں کا باعث بنتے[۲] امراء اپنے مسائل اور مشکلات عموماً اپنے انتظامی اداروں کے ذریعے حل کراتے جن کی سرپرستی ان کے نائبین اور معاونین کرتے تھے مذکورہ ادارے رعایا کو میر کا مطیع فرمان رکھنے کے علاوہ زرعی اور دیگر مالیات کی وصولی پر مامور تھے انتظامی امور میں میر کو مطلق العنان حاکم کی حیثیت حاصل ہوتی تھی ایسے میں صرف بعض قبائلی رسوم اور روایات ہی مختلف امور کی حسب منشا انجام دہی کی راہ میں مانع ہو سکتی تھیں ورنہ میر کے احکام کو علاقے میں قانون کی حیثیت حاصل ہوتی تھی جنکا احترام وہاں کے عوام کا قانونی فرض بنتا تھا رعایا کی دولت حتیٰ کہ بعض علاقوں میں ان کی زندگیوں پر بھی امراء کا قبضہ ہوتا تھا[۳] مغربی سیاح اس سلسلے میں کہتے ہیں کہ دیگر اقوام کی نسبت ہزارہ میر اور جاگیردار زیادہ آمرانہ طبیعت کے مالک تھے[۴] مثلاً دی زنگی کے میر محمد رفیع بیگ نے ہارلان کے روبرو اعلان کیا تھا کہ میں اپنی تمام رعایا کا مالک ہوں میں چاہوں تو انہیں ازبکوں کے ہاتھ فروخت کردوں اور ان میں سے کوئی میرے اس اقدام کے خلاف مزاحمت نہیں کرے گا

۱؎ سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۹۲۹-۹۵۷-۹۸۸ بلوچستان۔ پنجاب۔ اور افغانستان کا سفر صفحہ ۳۷۵ سلطنت کابل جلد ۲ صفحہ ۲۵۳ اور مرکزی الشیاء صفحہ ۱۳۰-۱۳۱-۱۴۰-۱۴۳-۱۴۷

۲؎ میر جاغوری۔ سردار شیر علی خان کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں صفدر علی خان۔ احمد علی خان اور سلطان علی خان اور انکے چچا باز علی خان کے درمیان شدید خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ فولادی قبیلے کے خوانین کے مطابق ان کے بھائی ایسی ہی جنگوں کے نتیجے میں ہلاک ہونے تفصیل کے لئے دیکھئے سراج التواریخ جلد ۲ صفحہ ۳۵۲ اور جلد ۳ صفحہ ۵۳۵

۳؎ مرکزی الشیاء صفحہ ۱۳۷

۴؎ امیر اور میری ذمہ داریاں صفحہ ۲۰۶

کیونکہ وہ سب میرے نوکر اور غلام ہیں[1] میر مجرموں کو سزا دینے کی خاطر باقاعدہ کچہریوں کا اہتمام کرتے تھے جن میں مجرموں کو قید اور بعض اوقات موت کی سزا دی جاتی تھی[2] واضح رہے کہ ۱۹ ویں صدی کے اواخر میں افغان امراء بھی انہی اختیارات کے مالک تھے لیکن وہ عموماً غیر قبیلے کے افراد سے یہ سلوک کرتے تھے[3] میر علاقے کے انتظامی اور عدالتی دونوں اداروں پر مکمل اختیارات رکھتے تھے اس لئے ان کی حیثیت علاقے کے آمر مطلق کی سی ہوتی تھی میر عموماً ایک بڑے دربار میں ہزارگی رسوم وروایات کے تحت اپنے فیصلے احکامات اور فرامین صادر کرتے اس دربار میں ہر شخص شریک ہو سکتا تھا یعنی مدعی بھی اور مدعا علیہ بھی میر مختلف امور کی انجام دہی کے سلسلے میں روزانہ دو مرتبہ دربار کا انعقاد کرتا پہلی مرتبہ فجر کی نماز کے بعد اور دوسری مرتبہ دوپہر کے وقت ہزارہ جات میں چوری چکاری اور قتل کے واقعات شاذونادر ہی رونما ہوتے کسی شخص کے لئے سب سے بڑی سزا یہ ہوتی تھی کہ اسے غلام بنا کر فروخت کر دیا جاتا تھا رشوت ستانی کی روک تھام کی ہر ممکن کوشش کی جاتی تھی اور رشوت لینے والے شخص کا پیٹ چاک کر دیا جاتا تھا زنا کے مجرموں (عورت مرد) کو غلام بنا کر فروخت کر دیا جاتا تھا جس سے حاصل ہونے والی آمدنی میر کے خزانے میں جمع کر دی جاتی[4] امراء کی سلطنت کی بنیادیں نہ صرف ان کی دولت اور زرعی زمینوں پر استوار تھیں بلکہ مسلح افواج کو بھی ان کا سب سے بڑا سہارا تصور کیا جاتا تھا ہر میر کا اپنا ایک مسلح فوجی گروہ ہوتا تھا جو عموماً اسکے ملازمین پر مشتمل ہوتا تھا بوقت ضرورت میر بڑے گروہ بھی تشکیل دے سکتا تھا میر کے مسلح افراد کی تعداد علاقے میں اس کی حیثیت کا تعین کرتی اور ان کے ملازمین کی تعداد جتنی

---

[1] مرکزی الشیاء صفحہ ۱۳۷

[2] سلطنت کابل جلد ۱ صفحہ ۲۵۳

[3] جاگیرداری نظام اور افغان حکومت کی تشکیل صفحہ ۲۲۲

[4] شوہروں کو اس بات کا حق حاصل تھا کہ اگر اس کی بیوی کسی گناہ کا ارتکاب کرتی تو وہ اسے اس کے بالوں کی مدد سے گلا گھونٹ کر ہلاک کر دے لیکن بعض علاقوں میں ایسی صورت میں شوہر اپنی بیوی کو صرف طلاق دے سکتے تھے (مرکزی ایشیاء صفحہ ۱۳۸۔۱۳۷)

زیادہ ہوتی معاشرے میں اس کا مقام بھی اتنا ہی بلند [1] مثلاً میر بہسود یزدان بخش کی (سوار اور پیدل) فوج دو ہزار مسلح افراد پر مشتمل تھی جبکہ دئی زینیات کے میر میر محمد خان کے پاس ایک ہزار افراد پر مشتمل تازہ دم فوج اور سر جنگل کے میر صادق بیگ کے پاس نوسو مسلح افراد پر مشتمل سوار اور آٹھ سو مسلح افراد پر مشتمل پیدل فوج تھی

اس طرح جاغوری کا میر بوقت ضرورت ۵ ہزار افراد پر مشتمل فوج تشکیل دے سکتا تھا سنگ تخت اور شیخ میراں کے امراء تین ہزار مسلح افواج رکھتے تھے ان کے ساتھ ہمیشہ چار سو مسلح افراد پر مشتمل حفاظتی دستہ ہوتا تھا (مزید معلومات کے لئے دیکھئے [2]) ذاتی محافظوں سے عموماً داخلی بغاوتوں کے کچلنے کا کام لیا جاتا تھا جبکہ بقیہ فوج سے علاقے کے تحفظ کے ساتھ توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل کا کام لیا جاتا تھا

طاقت اور اثر ورسوخ کے لحاظ سے حاکموں کے دوسرے طبقے کو ملا اور علماء تشکیل دیتے تھے ہزارہ عوام کی اکثریت شیعہ ہے ماسوائے دی زینیات قبیلے کے جو سنی مسلک کے پیروکار ہیں بعض ہزارہ قبائل اسماعیلی شیعہ فرقے سے بھی تعلق رکھتے ہیں جن میں شیخ علی اور دی چوپان کے قبائل شامل ہیں (ان کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے) پیر ملا اور سید ہزارہ جات کے مذہبی حاکم طبقے کو تشکیل دیتے تھے تمام دینی اور مذہبی امور کی نگرانی اور انجام دہی کا کام ان کے ذمے ہوتا تھا ان کو ہزارہ قوم کے معاملات میں بڑا عمل دخل حاصل تھا ان کے بغیر کوئی بھی اہم مجلس یا محفل منعقد نہیں کی جاتی تھی پیدائش سے لے کر موت تک لوگوں کا ان سے واسطہ پڑتا تھا جبکہ بچوں کی تعلیم و تربیت بھی ان کے ذمے تھی دینی اور مذہبی امور کی انجام دہی اور نگرانی کے لئے ہر قبیلے میں ایک

---

[1] مرکزی ایشیاء صفحہ ۱۳۰۔ اور ہزارہ ثقافت صفحہ ۲۲

[2] بلوچستان۔ افغانستان اور پنجاب کا سفر جلد ۲ صفحہ ۳۴۷۔ افغانستان۔ فارس۔ ترکستان اور بلوچستان کا سفر صفحہ ۱۹۱۔۲۲۰۔ سفر براستہ افغانستان صفحہ ۱۰۷۔ افغانستان۔ بلوچستان۔ پنجاب اور ان کے ہمسایوں کے بارے میں معلومات صفحہ ۳۲۲۔۳۲۷

شخص مقرر ہوتا تھا جسے "بزرگ" کہا جاتا تھا دی زینیات قبیلے میں اس شخص کو مرشد کہا جاتا تھا مذکورہ مذہبی گروہ میں اکثریت سیدوں کی ہوتی تھی جنکا دعویٰ ہے کہ وہ حضرت محمدؐ کی اولاد ہیں اکثر علاقوں میں وہ ہزارہ قبائل کے درمیان ہی رہائش رکھتے تھے جبکہ بعض علاقوں میں ان کی رہائش مخصوص مقامات پر ہوتی۔ وہ سیدوں کے علاوہ دیگر ہزارہ قبائل میں شادی نہیں کرتے تھے لفظ سید وراثت میں ان کی اولاد کو منتقل ہوجاتا ہزارہ جات میں ان کا بہت زیادہ احترام کیا جاتا تھا لہذا وہ وہاں بہت اثر و رسوخ کے مالک تھے ہزارہ اس بات پر متفق ہیں کہ سید نسلی اعتبار سے اعلیٰ اور برتر ہیں[1]

رعایا اور دھقان اپنی پیداوار کا پانچواں حصہ خمس کی صورت میں سیدوں کو دینے کے پابند تھے جبکہ سید خود کسی کو بھی مالیہ ادا نہیں کرتے تھے چنانچہ بعض سیدوں کے پاس بہت زیادہ دولت جمع ہوگئی تھی سراج التواریخ کے مطابق درہ علی (DARRAE-ALI) یکاولنگ (YEKAWLANG) کی تقریباً تمام زمینیں انہیں سیدوں کی تھیں[2] سید ملا اور پیر وغیرہ بہت سی زمینوں پر مختلف طریقوں سے قابض تھے ممکن ہے وہ زمینیں اوقاف کے نام سے یاد کی جاتی ہوں زمینیں میر کی رضا مندی یا اس کے حکم سے سیدوں کے حوالے کی

---

[1] نسلی برتری کا نظریہ ایک غیر انسانی نظریہ ہے جو کہ دراصل بورژوازی اور جاگیردارانہ نظام کی میراث ہے جسے تراش خراش کر ایک جدید نظریے کی شکل دی گئی ہے اس نسلی برتری کی بنیاد پر سفید فام۔سیاہ فاموں کی تحقیر۔ ان کی حوصلہ شکنی لوٹ مار اور حقوق سلب کرنے کو اپنا حق سمجھتے ہیں البتہ افغانستان میں چونکہ ایک قبائلی معاشرہ ہے اور وہاں پر مختلف حاکم طبقات وجود رکھتے ہیں اس لئے ان حاکم طبقات سے نزدیکی پیدا کرنے۔ دوسروں سے الگ تھلگ رہنے اور اپنی اجتماعی خصوصیات کو برقرار رکھنے کی خاطر اس نسلی برتری کا سہارا لیا جاتا ہے اپنی نسل کو برقرار رکھنے اور دیگر محروم طبقات اور قوموں کی تحقیر کی خاطر اپنی ثقافت اور معشیت کو ان سے الگ اور ممتاز رکھتے ہیں تاکہ اس طرح عام رعایا سے خود کو برتر ثابت کر سکے اور حاکموں سے زیادہ سے زیادہ قریب ہو افغانستان میں ہزارہ قوم کے ساتھ قزلباشوں کا بھی ہمیشہ۔یہی رویہ رہا ہے اور اس کی وجہ وہاں کا مخصوص معاشرتی ماحول ہے حالانکہ اسلام میں بھی اس بات کا واضح تذکرہ موجود ہے کہ کسی شخص کو کسی دوسرے پر سفید کو کالے پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں اور تقویٰ ہی کسی شخص کو دوسرے سے ممتاز کرتا ہے

[2] ہزارہ قوم کی شکست کے بعد ۱۸۹۲-۹۳ کے دوران تمام ہزارہ خوانین اور امراء کے ساتھ ساتھ سیدوں کی بھی زمینیں ضبط کر لی گئیں (سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۴۵-۱۰۱۱-۱۰۱۹

جاتی تھیں جبکہ بعض اوقات لوگ خود بھی اپنی زمینیں انہیں وقف کر دیتے تھے لیکن کابل کے قریب رہنے والے لوگ اپنی دولت یا مالیہ انہیں دینے کی بجائے کابل حکومت کے حوالے کر دیتے تھے[1] وہ اپنی دولت اور اثرورسوخ (مذہبی حیثیت) سے فائدہ اٹھا کر بعض اوقات اس بات کی بھی کوشش کرتے کہ مذہبی راہنمائی کے علاوہ ہزارہ جات کی سیاسی زندگی میں بھی لوگوں کی راہنمائی کا کام سرانجام دیں مثلاً سید جعفر جو کہ مذہبی اور دینی معاملات میں بڑی حیثیت اور اثر ورسوخ کا مالک تھا اپنے آپ کو رئیس۔ بزرگ اور میر کہلواتا تھا اس نے شیخ علی قبیلے میں بڑا اہم مقام بھی حاصل کر لیا تھا۔[2]

ہزارہ معاشرے میں ملاؤں کو بھی بڑی اہمیت دی جاتی تھی فولادی قبیلے میں تو ان کی بڑی شہرت تھی اس طرح انہوں نے دایہ۔ سلطان احمد اور کئی دوسرے علاقوں کے عوام میں کافی اثرورسوخ حاصل کر لیا تھا تاریخ کے مطالعے سے ایک دلچسپ بات سامنے آتی ہے کہ جن علاقوں میں سیدوں کی اکثریت ہوتی تھی وہاں یا تو ملا بالکل ہی نہ ہوتے یا پھر ان کی تعداد بہت کم ہوتی۔ مذہبی معاملات کے علاوہ ملا انتظامی امور میں بھی کافی اختیارات رکھتے تھے مثلاً قاضی محمد عسکر بن علی رضا مذہبی امور کے علاوہ فولادی قبیلے کی ریاستی اور انتظامی امور میں بھی بہت اختیارات رکھتا تھا اس کے دو بیٹے فیض اللہ اور عبداللہ حیدر قبیلے کی انتظامیہ کے سربراہ تھے جبکہ ملا علی نقی پشتان قبیلے کے انتظامی سربراہ تھے۔[3]

اسماعیلی کے علاوہ دیگر شیعہ اور سنی ہزارہ قبائل میں بھی پیر بکثرت پائے جاتے تھے مذہبی نقطہ نگاہ سے وہ اپنی بستیوں دیہاتوں یا قصبوں کے سربراہ تصور کئے جاتے تھے اسماعیلی فرقے میں پیر کو مذہبی گروہوں کا سرپرست مانا جاتا تھا پیروں کا بہت احترام کیا جاتا تھا عوام میں ان کی بڑی

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۱۰۱۹
[2] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۳۹۱-۳۹۲
[3] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۵۸۳-۳۹۰

پزیرائی ہوتی تھی وہ اپنے مریدوں سے ہمیشہ مالی امداد وصول کرتے تھے[1] اسماعیلی فرقے کے پیروں کی طرح بعض پیر مذہبی اموال کے دسویں حصے کے مالک ہوتے تھے ان کا شمار علاقے کے طاقتور لوگوں میں ہوتا تھا لوگ ان کے احترام اور تقدس کے بہت زیادہ قائل تھے چنانچہ وہ عموماً انتہائی دولت مند بھی تھے جو اپنے لئے بہترین قلعے اور دربار تعمیر کرتے اور ایک حاکم کی سی زندگی بسر کرتے تھے یہ دولت مند پیر اپنے مریدوں سے انتہائی ظلم اور جبر کے ذریعے کام لیتے اور انتہائی برے طریقے سے ان کا استحصال کرتے تھے

ان کے علاوہ ہزارہ جات میں ایک طبقہ کربلائی اور زوار حضرات کا ہوتا تھا یہ حضرات بھی مذہبی اور معاشرتی معاملات میں بڑا مقام رکھتے تھے امراء جاگیرداروں اور مذہبی نمائندوں (ملا اور پیر) وغیرہ کی طرح ان کا شمار بھی حاکموں میں ہوتا تھا[2] کربلائی ایسے افراد کو کہا جاتا ہے جو شیعوں کی مقدس ترین زیارت گاہ حضرت امام حسین کی زیارت کے لئے کربلا جاتے ہیں عراق میں واقع شہر کربلا کے دور دراز سفر اور اس کی زیارت کو ایک ہزارہ اپنے لئے انتہائی قابل فخر عمل اور اللہ کی نعمت تصور کرتا ہے زوار کا لفظ ان لوگوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو ایران کے شہر مشہد میں واقع حضرت امام رضا کی زیارت کو جاتے ہیں یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ مشہد ہزارہ جات کے نسبتاً نزدیک واقع ہے اور اس کی زیارت ایک عام ہزارہ کے لئے بھی ممکن ہے لیکن ان دنوں کربلائی اور زوار کے القاب صرف حاکموں کے لئے مخصوص تھے جو مذکورہ شہروں میں زیارت کی غرض سے جاتے تھے دراصل امراء اپنی طاقت اور اثر و رسوخ میں اضافے اور اس طرح رعایا کی اکثریت کے استحصال کو آسان بنانے کے لئے

---

[1] اسماعیلی فرقے کا سربراہ آغاخان ہندوستان کے شہر بمبئی میں رہتا تھا جسے انگریزوں کی بھرپور حمایت حاصل تھی اس کے لوگ ہزارہ جات جاکر اس کے لئے پیرو کاروں کی تلاش کرتے تھے اور سال میں کئی مرتبہ ان سے رقم اکٹھی کر کے بمبئی میں رہائش پذیر آغاخان کے لئے بھیجتے تھے (کابل سے کاشغر تک کی بغاوت کے بارے میں رپورٹ مونٹگمری صفحہ ۱۵۲-۱۵۳)

[2] کربلا اور مشہد کی زیارت کا شرف بھی صرف امراء اور جاگیرداروں کو حاصل ہوتا تھا کیونکہ عام رعایا میں ان دور دراز علاقوں کے سفر کی سکت نہیں ہوتی تھی

مذکورہ القاب کا انتخاب کرتے تھے دی زنگی بہسود دی کنڈی اور اورزگان میں کربلائی اور زوار حضرات کو مذہبی معاملات میں انتہائی اہم مقام حاصل تھا اور مذکورہ علاقوں میں دیگر علاقوں کی نسبت ان کی تعداد بھی زیادہ تھی[۱]

ہزارہ جات میں حاکموں کے سب سے نچلے طبقے کو امراء کے نوکر تشکیل دیتے تھے نوکروں نے کبھی بھی وہاں کی پیداواری سرگرمیوں میں حصہ نہیں لیا اس کے برعکس انہوں نے ہمیشہ رعایا سے زبردستی وصول کی جانے والی دولت پر ہاتھ صاف کیا یہ نوکر ہمیشہ اپنے آقاؤں کے پاس موجود رہتے اور ان کے د... کی حفاظت کرتے تھے

وہ میر کے حکم سے عوام سے مالیہ اور میر کی ضرورت کی دیگر اشیاء وصول کرتے مخالفین کی گوشمالی کا فریضہ بھی یہی نوکر انجام دیتے تھے اس کے علاوہ علاقے کو دشمنوں اور حملہ آوروں کی دسترس سے دور رکھنا میر کی حاکمیت کی حدود کا تحفظ کرنا اور حتیٰ کہ مختلف حملوں اور وارداتوں میں میر کا ہاتھ بٹانا بھی ان کے فرائض میں شامل تھا[۲] امراء بعض اوقات اپنے نوکروں کو بخشش کے طور پر زمین بھی عطا کرتے جنہیں جاگیر کے نام سے یاد کیا جاتا تھا جاگیر کی دو قسمیں ہوتی تھیں پہلی قسم کی جاگیر میں وہ زمینیں شامل تھیں جنہیں اگر کوئی بخشش کی صورت میں وصول کرتا تو اسے آخیر دم تک اپنے پاس رکھ سکتا لیکن وہ اس جاگیر کو وارثت میں اپنی اولاد کو منتقل کرنے کے حق سے محروم تھا اور اس کی وفات کے بعد اس کی یہ زمینیں دوبارہ بحق میر ضبط کر لی جاتیں دوسری قسم کی جاگیر میں وہ زمینیں شامل تھیں جو نوکر کی وفات کے بعد ان کی اولاد کو وراثت میں منتقل ہو جاتی تھیں یعنی ان زمینوں پر نوکروں کا موروثی حق تسلیم کر لیا جاتا تھا وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ ۱۸۱۹-۸۰ کے دوران وہاں کس قسم کی جاگیریں عطا کرنے کا رواج تھا ہارلان کے مطابق نوکر رعایا کے استحصال کی خاطر ان پر جتنا

---

[۱] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۵۸۳-۷۰۴-۷۲۶

[۲] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۵۳۶-۵۳ اور فارس کا معلوماتی سروے صفحہ ۱۲۴

زیادہ ظلم کرتے میر کے نزدیک اتنا ہی زیادہ وفادار ٹھہرتے جن کتابوں کا میں نے مطالعہ کیا ہے ان میں انیسویں صدی کے آواخر اور بیسویں صدی کے اوائل کے ہزارہ مزدوروں کے لئے مخلص رعایا یا عام رعایا اور افراد کی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں[1] سراج التواریخ میں بعض جگہ رعایا کی بجائے دھقان یا کسان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جن سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا تعلق براہ راست زمین اور پیداوار سے ہے[2]

پیداواری وسائل چونکہ صرف جاگیرداروں کی دسترس میں تھے اس لئے وہ شدت سے دھقانوں کا استحصال کرتے تھے دھقانوں کے بھی کئی طبقے تھے ایک طبقہ ان کسانوں کا تھا جو بعض اوزار اور جانوروں کے مالک ہوتے تھے معاشی لحاظ سے وہ مکمل طور پر خود کفیل تھے اور اپنی آمدنی کا کچھ حصہ بطور مالیہ میر کو دینے کے پابند تھے ان کو چھوٹے زمیندار کے نام سے یاد کیا جاتا تھا ایسے لوگ اپنی زمینوں پر نہ صرف خود کام کرتے بلکہ بعض دوسرے دھقانوں کو اجرت پر لے کر ان کی محنت کا استحصال کرتے تھے ان دھقانوں کا استحصال بھرپور طریقے سے کیا جاتا تھا کیونکہ اجرت پر کام کرنے والے ان دھقانوں کو فصل کی بوائی سے لے کر کٹائی کے عرصے تک جوکہ چھ مہینوں پر محیط ہوتا تھا روزانہ صرف دو پاؤ آٹا اور فصل کی کٹائی کے وقت دو بھیڑیں اور ایک سلی ہوئی قمیض اجرت کے طور پر دی جاتی سردیوں اور دیگر مہینوں میں جب کاشتکاری نہ ہوتی دھقان ان چھوٹے زمینداروں کی ذاتی خدمت پر مامور ہوتے اور انہی کی عنایات کے سہارے اپنی زندگی گذارتے[3] ان چھوٹے زمینداروں کی ہمیشہ یہی کوشش ہوتی کہ حالات ہمیشہ یونہی رہیں کیونکہ وہ کسی بھی طرح کی شاہ خرچیوں یعنی اجرت میں اضافہ کے قائل نہ تھے بعض لوگ انہیں مالدار رعایا کے نام سے یاد کرتے تھے ہزارہ جات کے بعض علاقوں بالخصوص بامیان کی اکثر زمینیں

---

[1] کلیات ریاضی صفحہ ۲۲۔ سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۸، ۸۱۹۔ ۱۰۱۱۔
[2] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۴۲۵، ۹۳۸۔
[3] مرکزی ایشیاء صفحہ ۱۴۹

انہی چھوٹے زمینداروں کی تھیں جو پیداواری شعبے میں اجرتی دھقانوں کا استحصال کرتے تھے گلہ بانی اور گندم کی کاشت تو صرف انہی اجرتی دھقانوں کے ذریعے ہوتی[1] لیکن دوسری جانب یہی چھوٹے زمیندار جو دہقانوں کا انتہائی استحصال کر کے اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے تھے خود امراء کے شدید جبر و استحصال کا شکار تھے (اس موضوع پر بعد میں بحث کی جائے گی) لیکن اہم بات یہ ہے کہ یہ چھوٹے زمیندار نسبتاً مالدار ہونے اور پیداواری وسائل کے مالک ہونے کے باوجود طاقت اور اثر ورسوخ کے اعتبار سے انتہائی غیر اہم حتیٰ کہ حقیر جانے جاتے تھے اور ان کی معاشرے میں کوئی موثر حیثیت بھی نہیں تھی اس کے برعکس میر خان یا بڑے جاگیر دار ہی ان کے جان و مال کے حقیقی مالک تھے چھوٹے زمیندار جو اپنی زمینوں پر اجرتی دھقانوں سے کام لیتے تھے ان کے لئے میر کی طرف سے حکم تھا کہ وہ اپنی زمینوں پر زیادہ سے زیادہ کاشت کریں یا پھر انہیں دھقانوں کو اجرت پر دیں تاکہ میر کو زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل ہو دلچسپ بات تو یہ ہے کہ ان چھوٹے زمینداروں کو اس بات کا کوئی حق حاصل نہیں تھا کہ وہ اپنی زمینوں پر کاشتکاری ترک کریں یا پھر وہاں سے بھاگ جائیں[2] وہاں ایسے لوگ بھی بستے تھے جو انتہائی کم زمینوں اور مویشیوں کے مالک تھے لہذا وہ اپنی زمینوں پر خود ہی کام کرتے وہ دیگر اجرتی دھقانوں سے کام لینے کے ہرگز قابل نہ تھے ایسے لوگ قحط کے دوران دیگر کاموں کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے ہزارہ جات میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی اس لئے وہ وہاں کی معاشرتی زندگی پر زیادہ اثر انداز نہ ہو سکے۔ اکثر ذرائع میں تو ان کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا بحر حال تمام ذرائع کی رو سے ہزارہ معاشرے کو مندرجہ ذیل گروہوں یا طبقات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ انتہائی طاقتور اور موثر طبقہ یعنی جاگیر دار

۲۔ متوسط طبقہ یعنی چھوٹے زمیندار

---

[1] روسی مرکزی آرکائیو (تاریخی۔ فوجی) شعبہ افغانستان صفحہ ۱۳۵

[2] مرکزی ایشیاء صفحہ ۱۳۶

۳۔ تہی دست طبقہ یعنی کسان اور عام رعایا[1]

تہی دست طبقہ رعایا اور کسانوں کی اس اکثریت پر مشتمل تھا جن کے پاس نہ تو زمین تھی اور نہ ہی دولت۔ لہذا وہ اس بات پر مجبور تھے کہ یا تو اپنے ہمسایوں کی زمینوں پر اجرت پر کام کریں یا پھر اپنے آقاؤں کے مویشیوں کی دیکھ بھال کرتے[2] اس کے علاوہ بعض اوقات وہ کسب معاش کی خاطر دیگر کاموں مثلاً دستکاری وغیرہ میں بھی ہاتھ ڈالتے البتہ تہی دست طبقے کے تمام افراد کو یہ مواقع میسر نہ تھے۔ بلکہ ان سہولیات سے صرف وہی لوگ بہرہ مند تھے جو بڑے شہروں مثلاً کابل۔ قندھار۔ ہرات یا بلخ کے قریب بود و باش رکھتے تھے۔ برنس (BURNES) کے مطابق ۱۹ ویں صدی کی تیسری دہائی میں تہی دست عوام کی ایک بڑی تعداد جو کہ تقریباً دس ہزار افراد پر مشتمل تھی موسم سرما کے دوران کابل آئی تھی اور وہاں کام کی تلاش میں تھی[3] کام کی تلاش میں ان کی یہ مہاجرت انیسویں صدی کے وسط میں بھی جاری تھی وہ اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کی خاطر ہر مشکل اور پر مشقت کام کرنے پر آمادہ ہو جاتے تھے افغان اور تاجک زمیندار ان سے اپنی زمینوں پر بہت مشقت لیتے تھے بعض تہی دست افراد فوج میں ملازمت حاصل کرنے کی خاطر کابل کے امراء اور سلاطین کے پاس چلے جاتے جو انہیں بصد خوشی اپنی فوج میں شامل کر لیتے کیونکہ ہزارہ عوام اپنی ایمانداری۔ وفاداری۔ صبر و تحمل اور جرات و مردانگی میں بہت شہرت رکھتے تھے[4]۔ دہقان مکمل طور پر امرا کی محتاجی میں زندگی گزارتے تھے اور اس سلسلے میں اپنی تمام ذمہ داریوں کو بجا لاتے تھے۔ اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کرنے کی خاطر عوام زمینوں سے حاصل ہونے والی آمدنی کا ۳ / ۱ حصہ مالیے کے طور پر میر کو ادا کرنے پر مجبور تھے۔ بعض اوقات میر رعایا سے ان کی پیداوار کا تیسرا

---

[1] ہزارستان صفحہ ۱۲۔ اور مغربی علاقوں کے ہزارہ قبائل کی ثقافت صفحہ ۲۵۴

[2] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۱۴۰

[3] سفر کی یادداشتیں صفحہ ۳۲۲

[4] سلطنت کابل جلد ۲ صفحہ ۲۵۵ مرکزی ایشیاء صفحہ ۱۵۴۔۱۵۵

حصہ لینے کی بجائے ۷۰۰ امربع میٹرا چھی زمین سے تین بھیڑیں۔اوسط درجے کی زمین سے دو بھیڑیں اور خراب زمین سے ایک بھیڑ وصول کرتا[1] جو لوگ کاشتکاری کے علاوہ صنعتی مصنوعات بھی بناتے ان پر لازم تھا کہ اپنی مصنوعات کی آدھی قیمت میر کو ادا کریں اسی طرح ہر سال مویشیوں کی تعداد کا چالیسواں حصہ میر کو دیا جاتا تھا۔اس کے علاوہ ہر خاندان کے افراد کی تعداد کو بھی مد نظر رکھا جاتا تھا اور ہر بار مردم شماری کے وقت ہر تین خاندان سے ایک غلام اور کنیز بھی وصول کیا جاتا۔امراء کو بڑی آمدنی ان جرمانوں کی وصولی سے بھی ہوتی تھی جنہیں عوام پر عائد کیا جاتا تھا۔حتیٰ کہ ملاؤں اور سیدوں کے علاوہ امراء کو بھی پیداوار کے چالیسویں حصے کے برابر زکواۃ دی جاتی[2]۔اس کے علاوہ رعایا سے وقتاً فوقتاً بیگار بھی لی جاتی۔بیگار عموماً عمارتوں قلعوں اور رہائشی ٹھکانوں کے علاوہ سڑکوں وغیرہ کی تعمیر کے سلسلے میں لی جاتی۔سب سے زیادہ مشکل عسکری ذمہ داریاں ہوتی تھیں۔جس کے لئے ہر خاندان سے ایک مسلح شخص میر کی خدمت میں دیا جانا ضروری ہوتا تھا۔نیز ہر خاندان پر لازم تھا کہ وہ اس شخص کے اسلحے اور دیگر عسکری ضروریات کا انتظام بھی خود ہی کرے[3]۔غریب رعایا کی یہ حالت تھی کہ نوکر یا دیگر ایسے اشخاص جو رعایا سے مالیہ وصول کرنے پر مامور تھے۔نہ صرف میر کے احکامات پر حرف بہ حرف عمل کرتے بلکہ رعایا کے مال سے حتیٰ الامکان اپنی جیبیں بھی پر کرتے۔جس کی وجہ سے غریب رعایا کی حالت روز بروز دگرگوں ہوتی جاتی کیونکہ وہ دوگنا مالیہ ادا کرنے پر مجبور تھے دوسری صورت میں ان کی تمام جائیداد اور اشیاء بحق میر ضبط کر لی جاتیں اور بعد میں کوئی عذر قبول نہ کیا جاتا۔ہارلان کے مطابق رعایا سے مالیہ ہر صورت میں وصول کیا جاتا تھا[4]۔دادیدوف کے مطابق ہزارہ جات میں رعایا اور کسان

---

[1] ہزارستان صفحہ ۱۵
[2] مرکزی ایشیاء صفحہ ۱۳۴۔۱۳۵ اور ہزارستان صفحہ ۱۴۔۱۵
[3] مرکزی ایشیاء صفحہ ۱۳۴
[4] مرکزی ایشیاء صفحہ ۱۳۴

مکمل طور پر جاگیرداروں کی استحصال کی چکی میں پس رہے تھے ۔ ہزارہ معاشرے کی اپنی مخصوص رسوم و روایات اور حاکموں کے ظلم و جبر کی بدولت یہ طبقہ بعض دیگر کاموں مثلاً آبپاشی سڑکوں کی تعمیر اور پل سازی جیسے پر مشقت کاموں سے بھی آشنا ہوا[1] ۔ ہزارہ جات میں مزدوروں اور کسانوں پر ڈھائے جانے والے اس طبقاتی جبر نے امراء کی طاقت اور اثر و رسوخ میں مزید اضافہ کر دیا۔ وہاں بعض علاقوں میں غریب رعایا کی حالت دن بدن خراب سے خراب تر ہوتی جاتی ۔ کیونکہ کئی اطراف سے ان کا استحصال کیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ کابل کے قزلباش تاجر بھی علاقے کے امراء کے اثر و رسوخ سے کام لے کر ہزارہ جات میں بڑی بڑی زمینوں کے مالک بن بیٹھے تھے جو وہاں کی غریب رعایا کی محنت کے بل بوتے پر اپنے لئے حویلیاں اور قلعے تعمیر کر رہے تھے[2]۔ بعض اوقات وہ اپنی زمینیں غریب کسانوں کو اجرت پر دیتے اور ان سے مخصوص مقدار میں پیداوار کا مطالبہ کرتے ۔ ہزارہ جات کے بھرپور استحصال کی خاطر کابل قندھار غزنی اور ہرات کے تاجروں نے باہمی اشتراک سے زرعی اجناس کی منڈی پر ایک ایسی اجارہ داری (MONOPOLY) قائم کر رکھی تھی جس میں زرعی اجناس اور مویشیوں کی من مانی قیمتیں مقرر کی جاتیں۔ دوسرے الفاظ میں وہاں زرعی اور دستکاری اشیاء کی لین دین میں قطعاً انصاف نہیں برتا جاتا تھا۔ اگر کسی ضرورت مند شخص میں اشیاء کی خریداری کی سکت نہ ہوتی تو تاجر بعض شرائط پر بڑے شوق سے انہیں قرضہ بھی دیتے تھے البتہ بعد میں اصل رقم سے زیادہ ان سے سود وصول کرتے تھے ۔ قرض وصول کرنے والے تاجروں کو عموماً ان کا قرضہ کبھی واپس نہ کر سکتے ۔ ایسی صورت میں اس شخص کو زبردستی کابل بھیجا جاتا۔ جہاں اسے غلام کی حیثیت سے فروخت کر دیا جاتا۔ جس سے حاصل ہونے والی آمدنی قرض خواہ وصول کرتا ۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ غریب لوگ قرض کے

---

[1] مرکزی افغانستان میں ہزارہ دہقانوں کا معاشرہ صفحہ ۱۲

[2] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۲۵۹ ۔ بلوچستان ۔ افغانستان اور پنجاب کے سفر کی روداد جلد ۲ صفحہ ۲۶۹

بدلے اپنی اولاد تاجروں کے حوالے کرتے[1]۔ ایسے امراء جو ہمسایہ حکومتوں کی اطاعت کرتے تھے۔ ان کی رعایا کی حالت انتہائی مخدوش اور قابل رحم تھی ان علاقوں کے لوگ اپنے میر کو مالیہ اور خراج ادا کرنے کے علاوہ ہمسایہ قبائل کے رؤساء کو بھی مالیہ ادا کرنے پر مجبور تھے۔ ہمسایہ حکومتوں کی طرف سے ہر سال بعض اشخاص کو ان علاقوں میں مالیہ وصول کرنے کی غرض سے بھیجا جاتا جو حتیٰ الوسع اپنی جیبیں بھی پر کرنے کی کوشش کرتے[2]

بعض اوقات ان ہمسایہ حکومتوں کی طرف سے مالیے کے علاوہ غلام کا بھی مطالبہ کیا جاتا۔ مثلاً قندوز کا خان مراد بیگ عموماً مالیے کے علاوہ غلام اور کنیز بھی اپنے ساتھ لے جاتا وسیع کوہستانی علاقوں میں جاگیرداروں کے لئے کاشتکاری اور گلہ بانی اتنا دشوار اور مشکل کام تھا کہ غریب رعایا خود اپنے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی لہذا ان کی اکثریت کے پاس گھربار یا دوسری جائیداد نہیں تھی اور وہ خیموں اور محض چار دیواریوں کے اندر کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور تھی[3] جے ووڈ جس نے ۱۸۲۷ء میں بہسود کے راستے کابل سے قندوز تک سفر کیا تھا بہت سے ایسے گروہوں سے ملا جو تقریباً نیم برہنہ اور بھوک سے انتہائی نڈھال تھے انہوں نے جے ووڈ کو بتایا کہ اس سال ہزارہ جات میں سردیاں کچھ جلدی آگئیں جس کی وجہ سے ان کی فصلوں کو زبردست نقصان پہنچا اور ان کے پاس میر کو دینے کے لئے کچھ نہ رہا تب میر نے ان کے مویشیوں اور مال واسباب کو ضبط کرلیا لہذا اب وہ روزگار کی تلاش میں جنوبی علاقوں کی طرف سفر کرنے پر مجبور ہوئے ہیں[4]

---

[1] دریائے آمو کے سرچشموں کی سیر صفحہ ۱۳۳۔۱۳۴۔ سفرنامہ (برنس) صفحہ ۳۲۴ کلیات ریاضی صفحہ ۴۵

[2] مثلاً حاجی خان کاکڑ (جسے ۱۸۳۲ میں امیر کابل نے مالیات جمع کرنے کی خاطر بہسود بھیجا تھا) نے امیر کے خزانے کیلئے ۴۰ ہزار روپیہ جمع کرنے کے علاوہ وہاں کے غریب عوام سے اپنے لئے بھی ۳۰ ہزار روپے جمع کئے (بلوچستان۔ افغانستان اور پنجاب کے سفر کی روداد جلد ۲ صفحہ ۳۰۷۔۳۰۵)

[3] بخارا کا سفر جلد ۲ صفحہ ۲۶۰ سلطنت کابل جلد ۲ صفحہ ۲۴۹۔ مرکزی ایشیاء صفحہ ۱۱۴۔۱۱۵

[4] دریائے آمو کے سرچشموں کی سیر صفحہ ۱۲۶۔۱۲۷

ان سالوں میں بھی جب فصلیں بہت اچھی ہوتیں امراء اور دیگر حکام کی حتیٰ الامکان کوشش ہوتی کہ رعایا کی تمام پیداوار پر قبضہ کر لیں ایسے میں وہ اناج کی بہت کم مقدار ان کے لئے چھوڑ دیتے ہزارہ جات میں غربت کا یہ حال تھا کہ بہت کم لوگ اس قابل تھے کہ نمک جیسی سستی شے کی خریداری کر سکیں[1] ہزارہ جات میں موجود داخلی اختلافات اور جنگیں بھی غریب رعایا کی زندگی پر بہت اثر انداز ہوتیں وہ ہر صورت میں مظلومیت ۔ بے چارگی اور غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے اس کے علاوہ انہیں اکثر ہمسایہ جاگیرداروں کے حملوں اور ظلم و تشدد کا وار بھی سہنا پڑا[2]

۱۸۱۹ ۔ ۸۰ ء کے ہزارہ معاشرے میں غلامی کی اہمیت کے پیش نظر ضروری ہے کہ اس سلسلے میں مزید گفتگو ہو کیونکہ تمام ذرائع اس بات پر متفق ہیں کہ مذکورہ سالوں کے دوران ہزارہ غلام تمام افغانستان میں دیکھے جا سکتے تھے ای ایچ کہتا ہے کہ افغان ہزارہ غلاموں کی خرید و فروخت کو قانونی تصور کرتے تھے[3] جبکہ بر سلم کے مطابق افغانستان میں غلاموں کی ایک بڑی تعداد کا تعلق مختلف ہزارہ قبیلوں سے تھا[4] یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہزارہ جات میں غلامی کا آغاز کب اور کیسے ہوا اور یہ کہ غلامی کو ہزارہ معاشرے میں کتنا عمل دخل حاصل تھا ہزارہ قوم کی معاشی و معاشرتی اور تہذیبی زندگی کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ پیداواری شعبوں یعنی زراعت اور گلہ بانی میں غلام کی اہمیت اور ضرورت نہیں تھی کیونکہ جاگیردار یہ سارا کام غریب اور مجبور رعایا سے زبردستی لیتے تھے اس لئے ہزارہ جات میں حقیقی معنوں میں غلامی کا تذکرہ کہیں نہیں ملتا ہزارہ معاشرہ بنیادی طور پر ایک جاگیردار معاشرہ تھا اس لئے

---

[1] روسی مرکزی آرکائیو (ہزارہ) مرکزی ایشیاء صفحہ ۱۳۴ ۔ ۱۳۵ ۔ بامیان اور خیوہ کے درمیان کا علاقہ صفحہ ۱۰

[2] ہندوستان ۔ بلوچستان ۔ افغانستان ۔ پنجاب اور ان کے ہمسایوں کے بارے میں معلومات جلد نمبر ۱ صفحہ ۲۵۷

[3] متمم حصائیوی ہزارہ صفحہ ۳۴۰

[4] ترکستان کا ایک جائزہ صفحہ ۳۳ ۔ ۳۴ اور کابل سے کاشغر تک کی بغاوت کے بارے میں رپورٹ

ممکن ہے کہ امراء کی خدمت اور ان کے دربار میں ملازمت کے علاوہ بعض پیداواری شعبوں میں بھی غلامی کو عمل دخل رہا ہو ہزارہ معاشرے میں جاگیرداروں کو اس حد تک تسلط حاصل تھا کہ وہ نہ صرف پیداواری وسائل (زمین پانی اوزار اور مویشی) پر قابض تھے بلکہ غریب رعایا اور کسانوں کی جان و مال پر بھی ان کا قبضہ تھا اس کے کئی عوامل تھے جن پر علیحدہ گفتگو ضروری ہے

ایک بڑی وجہ تو ہزارہ جات میں حاکمیت اور امارت (میری) کی قدیم رسم تھی روسی محققین کا خیال ہے کہ انہی قدیم رسوم وروایات کی وجہ سے ہزارہ معاشرے میں آمریت کو استحکام حاصل ہوا۔ ہزارہ قوم کا شروع سے یہ عقیدہ رہا ہے کہ مذہبی شخصیات کے علاوہ حاکم طبقے کے افراد نہ صرف خود بلکہ ان کے پسماندگان بھی رہبر اور حاکم ہونے کے علاوہ ان (رعایا) کی جان و مال پر مکمل اختیار بھی رکھتے ہیں[1] چنانچہ وہ مذکورہ افراد کی اطاعت کو اپنا فرض سمجھتے تھے لوگوں کے اس انداز فکر سے جاگیردار طبقے کی ظلم اور بربریت کی راہیں مزید ہموار ہو جاتیں غریب عوام تو یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ اپنے جان و مال پر اختیار رکھتے ہیں کیونکہ جاگیردار طبقے نے بڑی آسانی سے معاشرے میں پیر جمالئے تھے ایک اور بڑی وجہ وہاں کے موثر کردار کے حامل جاگیرداروں کی مخصوص طرز حیات تھی جو اپنی ہمسایہ جاگیردار حکومتوں کے ساتھ خاص تعلقات استوار رکھتے تھے هرات خیوه کابل بخارا قندھار اور ایران کے بعض شہروں کے حکمران اپنے درباروں کے لئے غلام ہمیشہ ہزارہ جات کے جاگیرداروں سے منگوانے کو ترجیح دیتے[2] مذکورہ علاقوں کے حکمران مشرق افریقہ سے غلام منگوانے کے بجائے ہزارہ جات سے آسان شرائط پر غلام منگوانے کو زیادہ آسان اور سہل سمجھتے تھے ہزارہ جات کے جاگیردار نہ صرف اپنے قبیلے کے افراد کو غلام بناتے

---

[1] دراصل مذہبی طبقے کے افراد نے عوام کو یہ باور کرایا تھا کہ حاکم کی حیثیت اولی الامر کی ہوتی ہے جس کے بارے قرآن میں ارشاد ہے کہ ان کی اطاعت کرو

[2] اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ہزارہ جات کے عوام شدید ترین موسمی حالات اور مشکلات میں زندگی گزارنے کے عادی تھے اس کے علاوہ وہ ہنر مند بھی تھے

بلکہ ان جنگی قیدیوں کو بھی غلام بنا کر فروخت کرتے جو داخلی جنگوں کے نتیجے میں ان کے ہاتھ لگتے جے بارلان کے مطابق ہزارہ جات کے امراء بڑے شوق سے اپنے قبیلے کے افراد اور جنگی قیدیوں کو ازبکوں کے ہاتھوں فروخت کر دیتے جنکے بدلے ان سے ہندوستان اور تاتاریوں کی بنائی ہوئی اشیاء وصول کرتے ازبکوں کے ہاتھوں فروخت ہونے والے غلاموں کی تعداد کئی ہزار سالانہ تک جا پہنچتی تھی یہ غلام ازبکوں کے لئے لکڑیاں کاٹنے اور پانی لانے کا کام سرانجام دیتے تھے[1] یاد رہے کہ ہزارہ جات کی ہمسایہ حکومتیں بعض اوقات ہزارہ جات سے غلام بطور مالیہ اور کبھی کبھی زبردستی بھی وصول کرتے

وہاں کی ۱۹ ویں صدی کی معاشرتی زندگی کے مطالعے کو اس وقت تک مکمل قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک ہزارہ معاشرے میں موجود رسوم وروایات کا معاشی اور معاشرتی نقطہ نظر سے تجزیہ نہ کیا جائے

اگرچہ ہزارہ رسوم وروایات پر مشہور محقق آرویدوف (ARVIDOV) اور دیگر مغربی محققین نے بھی تحقیق کی ہے لیکن مناسب نہیں ہو گا اگر میں ان محققین کی آرا کو حرف بہ حرف یہاں نقل کروں میری رائے جدید ذرائع کے علاوہ ان قدیم رسوم وروایات کے مطالعے پر مبنی ہے جو صدیوں پہلے ہزارہ معاشرے میں رائج تھیں کیونکہ ہزارہ معاشرے کے تفصیلی مطالعے کے لئے (۸۰ ـ ۱۸۱۹ ء) کے حالات وواقعات پر مبنی قدیم ذرائع انتہائی ناکافی ہیں چنانچہ محض ان کی مدد سے ہزارہ معاشرے کے خدوخال کے بارے میں جاننا نہایت مشکل ہے یاد رہے کہ ہزارہ جات میں زمینوں سے مکمل حقیقی معنوں میں کام نہیں لیا جاتا تھا (یہاں مصنف کی مراد شاید ان زمینوں سے ہے جو میری دسترس سے باہر تھیں) کیونکہ ۱۹ ویں صدی کے دوران ہزارہ معاشرہ بذات خود گوناگوں مسائل کا شکار تھا اس لئے معلومات کی کمی کے باعث مذکورہ دور میں ہزارہ معاشرے کا مطالعہ چنداں آسان کام نہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا

---

[1] مرکزی ایشیاء صفحہ نمبر ۸۲ ـ ۸۳ ـ ۱۲۶ ـ اور ۱۲۷

ہے۔ اس دوران ہزارہ معاشرہ مختلف مستعمرات (COLONIES) میں منقسم تھا جو وقت کے ساتھ ساتھ مختلف قبیلوں کی شکل اختیار کرتے گئے۔ یہ قبائل آگے چل کر مزید چھوٹے بڑے گروہوں میں تقسیم ہو جاتے تھے۔ ہر گروہ عموماً ایک یا کئی علاقوں میں بود و باش رکھتا تھا۔ ہر علاقے میں ایک اوتی داروغہ یا رئیس ہوتا تھا جس کے ساتھ مزید دو عمر رسیدہ افراد ہوتے تھے جو مختلف امور کی انجام دہی میں ان کا ہاتھ بٹاتے۔ اوتی داروغہ یا رئیس اپنے دونوں عمر رسیدہ رفقہائے کار کے ساتھ براہ راست میر خان یا قبیلے کے سربراہ کے سامنے جواب دہ ہوتے[1]۔ گرچہ ہزارہ جات میں حکمرانی جاگیرداری اور طاقت موروثی ہوتیں لیکن اوتی یا داروغے دیہاتوں میں انتخابات کے ذریعے چنے جاتے یا پھر میر ہی انہیں منتخب کرتا۔ گرچہ اس سلسلے میں زیادہ معلومات دستیاب نہیں لیکن اس بات میں شک نہیں کہ ہزارہ معاشرے میں داروغہ اور اس کے دونوں عمر رسیدہ ماتحتوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ مذکورہ افراد کی معاشی حالت بھی بہتر ہوتی تھی۔ ان علاقوں میں اجلاس یا جرگوں کا رواج نہیں تھا بلکہ تمام امور کا فیصلہ داروغہ (اوتی یا رئیس) ہی کرتے تھے۔ عام افراد ان کے فیصلوں پر اثر انداز نہیں ہو سکتے تھے لیکن گاوی اور بعض دیگر قبیلوں میں جرگوں کی طرز کا اجلاس بلانے کا بھی رواج تھا لیکن ایسے جرگوں کا انعقاد بھی کبھی کبھار ہی کیا جاتا تھا[2]۔ ہزارہ معاشرے میں رائج قدیم رسوم و روایات بھی عموماً جاگیرداروں ہی کے مفادات کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ آج اگر دیکھا جائے تو قبائلی روایات زیادہ مضبوط دکھائی نہیں دیں گی[3]۔ عام لوگ تو ان چیزوں پر زیادہ توجہ ہی نہیں دیتے اپنے اصلی قبیلوں سے ان کا جذباتی لگاؤ کافی حد تک کم ہو گیا ہے فی الحال ان کے قبیلے ہزارہ بزرگوں کے نام سے منسوب ہیں۔ وہاں کی

---

[1] سلطنت کابل جلد ۲ صفحہ ۳۵۳۔ حیات افغانی صفحہ ۳۶۴۔ اور سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۷۶۔۸۷۸

[2] سلطنت کابل جلد ۲ صفحہ ۲۵۵۔

[3] بامیان سے متعلق ضلع پنجاب میں ایک قبیلے کا نام "مرکہ" ہے مرکہ سے مراد اجلاس یا (meeting) ہے ان کی قدیم روایت ہے کہ اپنے تمام فیصلے باہمی گفت و شنید سے طے کرتے ہیں

قبائلی روایات میں اس وقت تبدیلی آئی جب ۱۹ ویں صدی کے آواخیر میں ہزارہ جات کو بعض واقعات سے دوچار ہونا پڑا اور ہزارہ عوام نے بڑی تعداد میں اندرون اور بیرون افغانستان ہجرت شروع کی اس کے علاوہ افغان حکومت کی ہزارہ جات میں وہاں کی قبائلی روایات کے منافی سیاست نے بھی وہاں کی معاشرتی زندگی پر اثرات مرتب کئے اور ہزارہ امراء روساء اور دیگر قبائلی زعما پر امیر عبدالرحمن نے ظلم وجور کا جوبازار گرم کیا اس سے بھی وہاں کی معاشرتی زندگی پر بہت اثرات مرتب ہوئے ان تمام حالات و واقعات کی وجہ سے ہزارہ معاشرے کی قبائلی روایات میں بہت تبدیلی آئی جو کہ قبائلی روابط اور تشخص کو ختم کرنے کا سبب بنے ۔ لہذا آج ہزارہ جات کے دور افتادہ اور پسماندہ علاقوں میں محدود ہزارگی رسومات کا ہی مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

قبیلہ غیر طبقاتی معاشرے کی نسبتاً ابتدائی شکل ہوتی ہے۔ جو کہ خونی رشتوں کی بنیاد پر وجود میں آتا ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ خونی رشتوں کی اہمیت کم تر ہوتی جاتی ہے اور دیگر مسائل ان میں شامل ہوتے ہیں جو کہ دراصل قبیلے کی وحدت۔ ان کے تحفظ اور تولیدی وسائل پر ان کی ملکیت کے تحفظ کی خاطر ہوتے ہیں۔ لیکن طبقاتی سماج کے وجود میں آتے ہی حاکم طبقے کا ظہور ہوتا ہے جو اپنے مفادات کی خاطر قبیلے میں تعصب اور دیگر منفی سوچیں پیدا کرتا ہے۔ لیکن معاشرے میں ترقی کے ساتھ ہی یہ روابط کمزور پڑ جاتے ہیں۔ افغانستان میں ہزارہ قوم کے درمیان قبیلوی روابط میں کمی آنے کی کئی وجوہات ہیں لیکن ان میں سب سے اہم ہزارہ امراء کی اپنے طبقاتی مفادات کی خاطر یکجہتی اور ہزارہ قوم کی ۱۸۹۲-۹۳ء کی تحریکوں کی ناکامی کے بعد وہاں کی صورت حال اور خصوصاً پشتونوں کے حاکم طبقات کا وہاں کے عوام کے ساتھ مخصوص سلوک ہیں

کابل۔ قندھار۔ ہرات اور شمالی علاقوں کی جاگیردار حکومتیں اور ہزارہ جات

اٹھارویں صدی کے وسط (۱۷۷۳-۱۷۴۳) میں آزاد افغان حکومت کے بانی احمد شاہ درانی کی حکومت مختلف آزاد اور علیحدہ حکومتوں میں تقسیم ہو چکی تھی جن میں سے چار اہم مندرجہ ذیل تھیں۔

کابل ۔ قندھار ۔ پشاور اور ہرات ۔ اول الذکر تین ملکوں پر بارکزئی سرداروں کی حکومت تھی۔ جبکہ ہرات پر سدوزئی شہزادے حکومت کرتے تھے ۔ ۱۸۱۹ - ۵۰ کے دوران ہزارہ امراء مکمل آزاد اور خود مختار تھے اور اپنے اپنے قبیلوں کی سرزمین پر مطلق العنان حکمران کی حیثیت رکھتے تھے ۔ بعض امراء ایسے بھی تھے جو اپنے علاقے کی جغرافیائی حالت کے پیش نظر ہمسایہ حکومت سے اتحاد کر لیتے تھے اور اس کی تابعداری کا عہد کرتے تھے ۔ مثلاً ہرات کے نزدیک بسنے والے ہزارہ امراء ہرات کے ساتھ اور شمالی علاقوں کے ہزارہ امراء وہاں کے حکمرانوں کے ساتھ اتحاد کر لیتے تھے ہزارہ جات میں موجود داخلی اختلافات وہاں کے امراء کے درمیان اتحاد و یگانگت کے فقدان اور اکثر و بیشتر واقع ہونے والی قبائلی جنگوں کی وجہ سے اکثر ہزارہ امراء اپنی ہمسایہ حکومتوں (قندھار۔ کابل۔ ہرات اور قندوز) کے ساتھ دوستی اور اتحاد پر مجبور ہو جاتے تھے ۔ یہ اتحاد عموماً دو طریقوں سے ہوتا تھا۔ پہلا طریقہ تو یہ ہوتا تھا کہ میر ہر سال مقررہ مالیہ ادا کر کے اپنی ہمسایہ حکومت سے اپنی وفاداری کا اعلان کرتا اور عہد کرتا تھا کہ وہ اپنی سرزمینوں سے گزرنے والے تجارتی قافلوں کو نہ صرف آزادانہ نقل و حرکت کی اجازت دے گا بلکہ ان کی حفاظت بھی کرے گا۔ دوسرا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ میر اس بات کا عہد کرتا کہ وہ نہ صرف جنگ کے دوران بلکہ جب بھی ضرورت پڑے اپنے ہی خاندان کی سربراہی میں مسلح افراد پر مشتمل دستہ حاکم

کی مدد کے لئے روانہ کرے گا۔ ہزارہ امراء مشترکہ دشمن کے خلاف شاذونادر ہی متحد ہوتے ہمسایہ حکومتوں کیساتھ بھی ان کا اتحاد محض رسماً ہی ہوتا اور وہ اس پر زیادہ سنجیدگی سے توجہ نہیں دیتے تھے لہذا جب بھی اتحادی حکمرانوں کو کمزور پاتے فوراً علیحدگی اور خود مختاری کا اعلان کرتے دئی کنڈی کے امراء اپنی مرضی کے مطابق رعایا سے مالیہ وصول کرتے اور اس کا زیادہ حصہ خود رکھ کر معمولی سا حصہ کابل کو روانہ کر دیتے ۔ دوسری طرف کابل کے حکمران اس بات سے خوش تھے کہ دئی کنڈی کے امراء نہ صرف ان کی اطاعت کرتے ہیں بلکہ انہیں خراج بھی ادا کرتے ہیں۔ اس میں سب سے زیادہ فائدے کی بات یہ تھی کہ اس طریقے سے ہزارہ امراء تجارتی قافلوں کو اپنی سرزمین سے گزرنے کی اجازت دیتے تھے[1]۔ کابل پر جو بھی بادشاہ یا امیر تخت نشین ہوتا یہی کوشش کرتا کہ اسلحہ اور طاقت کے بل بوتے پر ہزارہ امراء کو اپنی اطاعت پر مجبور کرے[2] لیکن مرکزی ہزارہ جات پر حکومت کرنے والے امراء اس تمام دوران مکمل آزاد اور خود مختار رہے حتیٰ کہ ہمسایہ حکومتوں کی اطاعت کرنے والے امراء بھی اپنے داخلی معاملات میں مکمل آزاد اور خود مختار تھے اور ان کو علاقے میں آمر مطلق کی حیثیت حاصل تھی ۱۹ ویں صدی کی تیسری دہائی میں جب امیر دوست محمد خان کابل پر تخت نشین ہوا تو اس نے ہزارہ جات کے شمال مغربی علاقوں پر قبضہ کرنے کے لئے اپنی کوششیں شروع کر دیں۔ اس دوران کبھی اس کی فوج کو شکست ہو جاتی تو کبھی وہ سامان حرب کے ذخائر اور رعایا کی مال و منال پر ہاتھ صاف کرنے میں کامیاب ہو جاتا[3] لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ دوست محمد خان کا ہزارہ جات پر قبضہ کرنے کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا کیونکہ ہزارہ جات کے عوام امیر دوست محمد خان کے خلاف پوری شدت سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کی سرگرمیاں کابل حکومت کے لئے مستقل دردسر کا باعث بنی

---

[1] کلیات ریاضی صفحہ، ۲۴

[2] بے بارلان۔ بہسود۔ جاغوری۔ غزنی۔ شیخ علی اور دی کنڈی کے امراء کے بارے میں لکھتا ہے کہ وہ امیر کابل کے طابع تھے لیکن ان کی یہ اطاعت حاصل کرنا صرف طاقت اور زور کے ذریعے ہی ممکن ہوا تھا

[3] کلیات ریاضی صفحہ ۲۴۸۔ حیات افغانی صفحہ ۳۶۴۔

رہیں مثلاً ۱۸۳۱-۳۲ کے دوران بامیان سے گزنے والے تجارتی قافلے کو وہاں کے لوگوں نے مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیا[1] لیکن اس حالت میں بھی کابل اور غزنی کے نواحی علاقوں کے امراء امیر دوست محمد خان سے اپنی دوستی برقرار رکھے ہوئے تھے ان میں بہسود۔ محمد خواجہ۔ چہار دستہ۔ جغتو اور فولادی (مالستان) کے امراء شامل تھے۔ مذکورہ علاقوں کے امراء ہر سال امیر دوست محمد خان کو مقررہ مالیہ ادا کرتے تھے۔ میسن کی اطلاعات کے مطابق ۱۹ ویں صدی کی تیسری دہائی کے دوران مالیات کی مندرجہ ذیل شرحیں مقرر تھیں۔

بہسود چالیس ہزار روپیہ سالانہ۔ جاغوری و فولادی ۱۴ ہزار روپے۔ قرہ باغ ناہور اور سرآب ۷،۵ ہزار روپے[2]۔ حیات افغانی کے مطابق امیر دوست محمد خان بامیان سے مالیے کے علاوہ ہر خاندان یا ہر قطعہ اراضی کے حساب سے ایک بھیڑ بھی وصول کرتا اور اگر قحط کے دنوں میں وہاں کے لوگ مالیے کی مقررہ مقدار ادا کرنے کے قابل نہ ہوتے تو مجبوراً اپنے کسی بیٹے کو غلام کی حیثیت سے حکومت کے حوالے کر دیتے[3] انیسویں صدی کی تیسری دہائی کے اواخر میں مالیے کی مقدار میں بھی اضافہ کر دیا گیا اور مالیہ مویشیوں کی مقررہ تعداد کے علاوہ زرعی اجناس مثلاً گندم اور جو کی صورت میں وصول کیا جانے لگا۔ مالیات کی وصولی پر مامور حکومتی اہلکاروں کی حرص و طمع کی وجہ سے ہزارہ عوام کے لئے مالیہ کی ادائیگی ایک انتہائی سنگین اور کمر شکن عذاب کے مترادف تھی کیونکہ حکومتی اہلکار حکومتی خزانے کے علاوہ اپنی جیبیں بھی پر کرتے لیکن ہزارہ عوام اس کمر شکن مالیے کی ادائیگی پر مجبور تھے بعض اوقات مالیہ کی وصولی کے لئے مسلح افواج کی بھی خدمات حاصل کی جاتی مالیات کی وصولی کے کام کی نگرانی

---

[1] ایشیاء میں زراعت اور جغرافیائی محل وقوع صفحہ ۳۴۳۔ مرکزی ایشیاء صفحہ ۳۲۵ اور بلوچستان۔ افغانستان اور پنجاب کا سفر صفحہ ۴۴۸

[2] بلوچستان۔ افغانستان اور پنجاب کا سفر جلد ۲ صفحہ ۲۹۵-۲۲۲ ہندوستان اور پنجاب کے راستے ہمالیہ کا سفر صفحہ ۳۸۲ اور متمم احصائیوی ہزارہ صفحہ ۳۳۷

[3] حیات افغانی صفحہ ۳۶۲

عموماً خود حکمران یا بعض مخصوص افراد کرتے تھے جن کے ساتھ ہمیشہ مسلح افراد کا ایک دستہ ہوتا تھا۔

کابل کے حکمران مختلف ہزارہ قبائل خصوصاً ہزارہ امراء اور خوانین کے درمیان تفرقہ ڈالنے کی خاطر ہر ممکن وسائل سے کام لیتے تاکہ کسی بھی صورت میں ہزارہ قوم میں اتحاد و یگانگت پیدا نہ ہو۔ کسی بھی ہزارہ میر کو اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ وہ کسی دوسرے ہزارہ میر سے راہ و رسم رکھے۔ امیر دوست محمد خان اور بہسود کے میریزدان بخش کے درمیان روابط کابل حکمرانوں کی اس سیاست کی بہترین مثال ہے۔ میریزدان بخش نے فہم و فراست سے کام لے کر بہسود کے تمام علاقے پر اپنا سکہ جمالیا تھا اس نے نہ صرف علاقے کے بعض خوانین کی ہٹ دھرمی اور من مانی سیاست کا خاتمہ کیا بلکہ بہسود میں ایک پرامن فضاء بھی قائم کی اس کے علاوہ اس نے ہمسایہ علاقوں (دئی زنگی۔ شیخ علی اور بامیان) کے امراء پر بھی اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی جس کے سبب ان علاقوں کے امراء اس کا بہت احترام کرنے لگے تھے۔ دوسری طرف یزدان بخش نے اپنی طاقت اور اثر و رسوخ میں اضافے اور اپنی قیادت کو مستحکم کرنے کی خاطر ان قزلباشوں کی بھی خبر لی جو کابل سے آکر ہزارہ جات میں بڑی بڑی زمینوں قلعوں اور جائداد کے مالک بن بیٹھے تھے۔ یزدان بخش نے انہیں ہزارہ جات سے نکال باہر کرنے کے لئے مختلف اقدامات کئے پہلے مرحلے میں اس نے کابل حکومت کے جاسوسوں کے علاوہ بعض دیگر قزلباشوں کی زمینیں ضبط کر لیں۔ اس طرح وہ تمام قزلباش جو میریزدان بخش کی سیاست اور روش کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کے احکامات کی پابندی نہیں کرتے تھے تمام زمینوں اور جائیداد سے محروم کر دیئے گئے[1]۔ گریگوریف کے مطابق امیر کابل کے لئے یہ بات ہرگز قابل قبول نہ تھی کہ کوئی دوسرا شخص اس کی برابری کرے لیکن چونکہ طاقت کے بل بوتے پر یزدان بخش

---

[1] بلوچستان۔ افغانستان اور پنجاب کا سفر جلد ۲ صفحہ ۲۹۔

کو سبق سکھانا نا ممکن تھا اس لئے دوست محمد خان نے اس اسلحے سے کام لینے کا فیصلہ کیا جس کے ذریعے فتح یقینی تھی یعنی "فریب"[1]۔ امیر دوست محمد خان کی ہر ممکن کوشش تھی کہ یزدان بخش سے مسلح لڑائی نہ ہو کیونکہ اول تو ۴۰ ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی (مالیہ) سے محروم ہونے کا ڈر تھا اور دوئم اس بات کا بھی خدشہ تھا کہ کہیں بامیان اس کے ہاتھ سے بالکل ہی نہ نکل جائے[2] چنانچہ یزدان بخش کو کابل آنے کی دعوت دی گئی اور ذمہ دار افراد کی طرف سے اس کے جان و مال کے تحفظ کی ضمانت دی گئی[3] یہ ضمانت حاصل کرنے کے بعد اور امیر کابل کے ساتھ سیاسی روابط کو برقرار رکھنے کی خاطر یزدان بخش بڑے اطمینان کے ساتھ کابل روانہ ہوا لیکن وہاں پہنچتے ہی گرفتار کر کے قید کر دیا گیا لیکن جلد ہی یزدان بخش نے ایک مناسب موقع سے فائدہ اٹھا کر رہائی حاصل کر لی اور دوبارہ بہسود پہنچنے میں کامیاب ہوا جس کے بعد بہسود اور کابل کے درمیان تعلقات بہت کشیدہ ہو گئے[4] لیکن اس کے باوجود یزدان بخش نہ صرف مقررہ مالیہ حکومت کابل کو ادا کرتا رہا بلکہ تجارتی قافلوں کی راہیں بھی کھلی تھیں دراصل یزدان بخش چاہتا تھا کہ اپنے نرم سیاسی رویے کی بدولت ہزارہ جات کے دیگر امراء کو بتدریج اپنے ساتھ متحد کرے اور اس طرح نہ صرف اپنی طاقت اور اثر و رسوخ میں اضافہ کرے بلکہ کابل کے امیر کو بھی کمزور کر سکے جس کے بعد اس سے دوبدو لڑائی لڑ سکے اس لئے یزدان بخش کا امیر کابل سے فوری قطع تعلق کا کوئی ارادہ نہ تھا اور نہ ہی وہ فی الحال امیر کابل سے اعلانیہ جنگ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لہذا اس نے ہزارہ جات کے امراء سے زیادہ سے زیادہ روابط بڑھانے پر ہی اپنی توجہ مرکوز کر دی تا کہ بہسود کے آس پاس کے عوام اور امراء کے درمیان اس کے اثر و رسوخ میں اضافہ ہو[5] لہذا امیر یزدان بخش نے جنگ کے

---

[1] آئین اکبری صفحہ ۸۶۶

[2] ایران صفحہ ۲۶۸

[3] بلوچستان۔ افغانستان اور پنجاب کا سفر صفحہ ۳۰۰۔۳۰۱

[4] ایران صفحہ ۲۶۸۔ بخارا کا سفر جلد ۳ صفحہ ۲۶۴۔۲۶۵

[5] امیر دوست محمد خان کی زندگی جلد ۱ صفحہ ۱۹۷

لئے قلعے اور دیگر لوازمات کی تعمیر کا کام شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے ان ہزارہ امراء کی طرف بھی اپنے آدمی دوڑائے جو اسکی طاقت اور اہمیت کے معترف نہیں تھے۔ اس طرح بالاخیر یزدان بخش نے بامیان اور دیگر علاقوں کے ان امراء کو بھی اپنے ساتھ ملالیا جو ہنوز امیر کابل کے ساتھ تھے۔ تاجکوں پر اپنا سکہ جمانے کے بعد یزدان بخش نے حقیقتاً بامیان کے حاکم اعلی کی حیثیت حاصل کر لی اور آخر کار افغان فوج کے ان دو دستوں کو بہسود سے نکال باہر کیا جو تجارتی شاہراہوں کی حفاظت پر مامور تھے۔

امیر کابل نے جو یزدان بخش کو نابود کرنے کے لئے ہر وقت بے چین رہتا تھا بالاخیر طاقت کے بل بوتے پر یزدان بخش کو سبق سکھانے کا فیصلہ کیا اور اس کام کے لئے ایک افغان سردار حاجی خان کاکڑ کی خدمات حاصل کر لیں۔ امیر دوست محمد خان نے حاجی خان کو اشتعال دلانے کی خاطر اسے لالچ دیا کہ کامیابی کی صورت میں بامیان کا علاقہ اسے بخش دیا جائے گا[1]۔ دوسری طرف امیر کابل نے یزدان بخش کی قوت کو منتشر کرنے کی خاطر اس کے روایتی حریف میر سیغان محمد علی بیگ کو مسلح کرنا شروع کر دیا۔ حاجی خان کاکڑ مالیہ وصول کرنے کے بہانے ۶۰۰ مسلح افراد کے ساتھ بامیان کی طرف روانہ ہوا اور بالاخیر یزدان بخش کے دربار تک پہنچنے میں کامیاب ہوا۔ جہاں اس نے یزدان بخش کو اس کے حریف محمد علی بیگ کی نابودی کے لئے اپنے تعاون کی پیش کش کر دی تب ایک موقع پر جب حاجی خان کاکڑ اور یزدان بخش مشترکہ طور پر تاتار قبیلے پر لشکر کشی کر رہے تھے۔ حاجی خان کاکڑ نے دھوکے سے یزدان بخش اور اس کے بھائی عباس کو گرفتار کر لیا۔ جس کے بعد اس کی فوج کو منتشر کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی[2] حاجی خان کاکڑ اپنے قیدیوں یعنی یزدان بخش اور اس کے بھائی عباس کو بامیان لے آیا اور غداری کے جرم میں دونوں کو پھانسی

---

[1] افغانستان۔ بلوچستان اور پنجاب کا سفر جلد ۲ صفحہ ۳۰۹۔ امیر دوست محمد خان کی زندگی جلد ۱ صفحہ ۱۹۷۔۱۹۸
[2] افغانستان۔ بلوچستان اور پنجاب کا سفر جلد ۲ صفحہ ۳۱۰۔۳۱۲

دے دی یزدان بخش اور اسکے بھائی عباس کی موت کے بعد بہسود کے عوام سے دوگنا مالیہ وصول کیا جانے لگا یعنی اب چالیس ہزار کے بجائے ان سے ۸۰ ہزار روپیہ سالانہ مالیہ وصول کیا جانے لگا[۱]۔ امیر دوست محمد خان کی زندگی (THE LIFE OF AMIR DOST MOHAMMAD KHAN) کے مصنف موہن لال کے مطابق انیسویں صدی کی تیسری دہائی کے اواخیر میں بہسود کے عوام سے ۷۰ ہزار روپے سالانہ مالیہ وصول کیا جاتا تھا[۲]۔

۱۹ ویں صدی کی تیسری دہائی کے اواخر میں شیخ علی۔ دئی زنگی اور دی کنڈی کے تمام امراء امیر کابل کی اطاعت کرتے تھے لیکن اس کے باوجود مذکورہ علاقوں پر امیر کابل کا اثر ورسوخ نہ ہونے کے برابر تھا۔ برنس کے مطابق دی زنگی اور دئی کنڈی کے امراء امیر کابل کی اطاعت کا اقرار تو کرتے تھے لیکن مالیہ ہرگز ادا نہیں کرتے تھے[۳]۔ ہزارہ جات پر حکومت کابل کی گرفت کتنی کمزور تھی اس بات کا اندازہ مندرجہ ذیل حقائق سے لگایا جا سکتا ہے۔

۱۸۴۳ میں افغانستان اور انگریزوں کی لڑائی کے بعد جب دوست محمد خان دوبارہ تخت پر بیٹھا تو افغانوں تاجکوں اور ازبکوں کے رؤساء اور بزرگ اسے مبارک دینے گئے۔ اس طرح ہزارہ جات سے غزنی کے خوانین بھی اسے مبارک باد دینے گئے لیکن سراج التواریخ کے مطابق ان میں بہسود۔ دئی زنگی۔ دی کنڈی اور بامیان کے خوانین شامل نہیں تھے[۴]۔ ہزارہ جات کے بعض علاقوں کو دوبارہ اپنی عملداری میں شامل کرنے کے لئے امیر دوست محمد خان نے سردار محمد اکرم خان کی سرکردگی میں مسلح افواج کی ایک بڑی تعداد بہسود۔ دئی کنڈی اور دئی زنگی کی طرف روانہ کیا۔ یوں سردار محمد اکرم خان ان علاقوں سے دوبارہ مالیہ وصول کرنے میں کامیاب ہوا جس کے بعد ان علاقوں پر امیر کابل کا اثر ورسوخ

۱؎ مرکزی ایشیاء صفحہ ۱۲۷

۲؎ امیر دوست محمد خان کی زندگی جلد ۱ صفحہ ۲۳۳

۳؎ سفر کی یادداشتیں جلد ۱ صفحہ ۲۲۴

۴؎ سراج التواریخ جلد ۲ صفحہ ۹۸

دوبارہ قائم ہو گیا ۵۰۔۱۸۴۹ (۱۲۶۶ ھجری قمری) میں محمد اسلم خان کو ہزارہ جات کا گورنر مقرر کیا گیا جس نے یکاولنگ (YEKAWLANG) کو اپنا دارالخلافہ مقرر کیا۔ یکاؤلنگ دئی زنگی علاقے میں واقع ہے۔ وہاں کے لوگ مقررہ دوگنا مالیہ ادا کرتے تھے ایک حصہ امیر کابل کے لئے اور دوسرا علاقے کے حاکم کے لئے اس بات سے وہاں کے عوام میں حکومت کے خلاف نفرتوں نے جنم لیا۔ جو بالاخیر مسلح تحریک کا سبب بنا۔

۵۵ - ۱۸۵۴ بمطابق ۱۲۷۱ ہجری قمری کے دوران اٹھنے والی اس تحریک کا سربراہ دئی زنگی کا میر محب بیگ تھا جس نے کابل حکومت کو خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ علاقے کے عوام نے میر محب بیگ کی سربراہی میں یکاولنگ میں واقع محمد اسلم خان کے محل کا محاصرہ کر لیا۔ محمد اسلم خان اس وقت تک اپنے محل کے اندر محصور رہا۔ جب تک کابل سے اس کے لئے کمک نہ پہنچا۔ چند دن بعد محمد اسلم خان کو کابل طلب کر کے اس کی جگہ محمد حسین خان کو یکاولنگ کا حاکم بنا کر بھیجا گیا۔

۵۵ - ۱۸۲۰ کے دوران جنوبی ہزارہ جات کے خوانین اور امراء حکمرانان قندھار کے ساتھ اتحاد میں شامل تھے وہ قندھار کے بارکزئی حکمرانوں (کہندل خان۔ مہر دل خان اور رحمدل خان) کی اطاعت پر اسوقت مجبور ہوئے جب وہاں کے عوام کے درمیان خونریز جنگیں ہو رہی تھیں۔ اگرچہ مذکورہ جنگوں کی زیادہ تفصیلات دستیاب نہیں لیکن قندھار کے حکمرانوں اور ہزارہ امراء کے درمیان روابط ان کی سیاست کے خدوخال واضح کر دینے کے لئے کافی ہیں قندھار کے حکمران ہزارہ جات کے مندرجہ ذیل قبائل سے مالیہ وصول کرتے تھے[1]۔

۱۔ بابہ علی جن کے روساء میر محمد حسین خان اور میر محمود خان تھے۔ وہ زر افشاں کے علاقے میں بڑے بڑے درباروں کے مالک تھے۔ ۲۔ دئی چوپان۔ ان کے امراء مرتضیٰ خان مرزا سلطان اور داد سلطان تھے۔ ۳۔ چورہ۔ جن کے

---

[1] سراج التواریخ جلد ۲ صفحہ ۱۹۸

حکمران علی حسین خان اور محمد حسین خان تھے۔

بابہ علی پانچ ہزار خاندانوں پر مشتمل تھا اور سالانہ دو تا تین ہزار بھیڑیں مالیہ کی صورت میں حکمرانان قندھار کو ادا کرنے کا پابند تھا۔ اسی طرح دئی چوپان جو ڈھائی ہزار خاندانوں پر مشتمل تھا۔ سالانہ تین تا چھ ہزار بھیڑ بکریاں اور ۱۲۔ خروار گندم (۱۔ خروار=۵۶۰ کلوگرام) قندھار کے حکمرانوں کو ادا کرتا۔ چورہ کے عوام بھی مالیہ ادا کرتے جن کی مقدار معلوم نہیں۔ مالیہ کسی خاص نظام کے تحت وصول نہیں کیا جاتا اور نہ ہی اس کی مقدار معین تھی بلکہ عموماً مقدار کا اندازہ بھی نہیں کیا جاتا تھا کیونکہ مالیات کی ادائیگی پتھر اور بکری (سنگ وبز) کے اصول کے تحت کی جاتی یہ کہاوت اس وقت مشہور ہوئی۔ جب ایک غریب ہزارہ ایک ہاتھ میں بکری یا اس کا گوشت اور دوسرے ہاتھ میں پتھر اٹھا کر علاقے کے تحصیلدار کے پاس گیا اور کہا بتا یہ بکری لے گا یا میں یہ پتھر تمہارے جبڑے پر ماروں اور ظاہر ہے کہ تحصیلدار بکری ہی قبول کرتا۔ قندھار کے حکمران مالیہ کی وصولی کی خاطر ہمیشہ مسلح افراد کا ایک دستہ ہزارہ جات روانہ کرتے کبھی کبھی وہ ان مسلح دستوں کی قیادت بھی خود ہی کرتے۔

۱۸۱۸۔۶۳ کے دوران ھرات ایک آزاد اور خود مختار ملک تھا جس پر ۱۸۱۸۔۱۸۲۸ تک شاہ محمود نامی ایک شخص کی حکمرانی تھی اس کے بعد ۱۸۴۲ تک شہزادہ کامران حکمران رہا اور پھر یار محمد خان الکوزئی تخت نشین ہوا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ ہرات کے علاوہ ہزارہ جات کے بعض علاقوں کا بھی حاکم ہے وہاں کے طاقتور ترین ہزارہ قبیلے کا نام دئی زینیات تھا جس کے ساتھ ہرات کے حکام باقاعدہ مذاکرات کرتے تھے۔ مذکورہ قبیلے کے سربراہ جن کو بیگلر بیگ یعنی امیروں کا امیر کہا جاتا تھا[ل]۔ ہرات کے حکمرانوں کے دوست تصور کئے جاتے تھے ہرات کے حاکموں کے ساتھ ان کے روابط برابری کی بنیاد پر

[ل] قلعہ نو کا بانی درویش علی خان ہزارہ جسے احمد شاہ درانی نے ہرات میں بیگلر بیگ کے عہدے پر تعینات کیا تھا شاید پہلا شخص تھا۔ جسے یہ مقام حاصل ہوا تھا

استوار تھے اور ان میں حاکم اور محکوم کا کوئی تصور نہیں تھا۔ دئی زینیات نے امراء نے ہمیشہ بڑے خضوع و خشوع سے ہرات کے حاکموں کے شانہ بشانہ ایران کے خلاف جنگوں میں حصہ لیا۔ وہ ہرات اور ایران کے درمیان موجود اختلافات سے فائدہ اٹھا کر انتہائی ہوشیاری سے اپنی آزادی اور خود مختاری کو برقرار رکھے ہوئے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ ہرات کمزور تو ہو لیکن ایران بھی اس پر کبھی قبضہ نہ کر سکے۔ لہٰذا شیر محمد خان نے اپنے مسلح افراد کے ذریعے بارہا شاہ کامران کی مدد کی تاکہ ہرات ایرانیوں کے دستبرد سے محفوظ رہ سکے وگرنہ ۳۹ - ۱۸۳۸ میں ایک شدید حملے کے ساتھ ہی ہرات پر ایرانیوں کے قبضے کا آغاز ہو چکا ہوتا[1]۔ ایرانی فوجیوں کے محاصرے کو توڑنے کے بعد بھی دئی زینیات نے ہرات کے ساتھ اپنی دوستی اور اتحاد کو برقرار رکھا۔ لیکن انہوں نے کبھی بھی ہرات کی تابعیت اور بندگی قبول نہیں کی مثلاً ۱۸۳۹ میں جب دئی زینیات قبیلے کا سربراہ شیر محمد خان فوت ہوا تو لوگوں نے علاقے میں موجود ہرات حکومت کے ایک جاسوس کو قتل کر دیا[2]۔ نئے بیگلر بیگ کریم داد خان نے آئندہ تین سالوں (۴۲ - ۱۸۳۹) کے اندر دئی زینیات کی ایک مکمل آزاد اور خود مختار حکومت کی بنیاد ڈالی۔ لیکن جب حاکم ہرات یار محمد خان نے قلعہ نو پر حملہ کیا تو دئی زینیات قبیلہ دوبارہ مالیہ ادا کرنے پر مجبور ہوا لیکن اس کے باوجود دئی زینیات میں ہرات اپنی جڑیں مضبوط نہ کر سکا۔ لہٰذا جلد ہی کریم داد اپنے معاہدے سے پھر گیا اور اس نے مالیات کی ادائیگی سے یکسر انکار کر دیا جس کی وجہ سے حاکم ہرات دئی زینیات پر دوبارہ فوج کشی کرنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ تاکہ وہاں پھر اپنا تسلط قائم کر سکے[3]۔ حاکم ہرات یار محمد خان نے دئی زینیات پر لشکر کشی کی خاطر آٹھ ہزار سواروں اور چھ ہزار پیادوں پر مشتمل فوج تشکیل دی جس میں چھ توپوں پر مشتمل ایک توپخانہ بھی تھا۔ اس کے مقابلے کے لئے کریم داد خان نے ۱۲

---

[1] فارس کا معلوماتی سروے صفحہ ۲۸۴۔ سراج التواریخ جلد ۲ صفحہ ۱۳۰۔ ۱۳۴۔ ۱۴۶۔ ۱۴۸
[2] افغانستان۔ فارس۔ ترکستان اور بلوچستان کا سفر صفحہ ۱۹۳
[3] افغانستان۔ فارس۔ ترکستان اور بلوچستان کا سفر صفحہ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ اور افغانوں کی تاریخ صفحہ ۴۸۶

ہزار سواروں پر مشتمل فوج میدان میں اتاری۔ اس جنگ نے بہت خطرناک صورت حال اختیار کر لی۔ تین گھنٹے کی اس جنگ میں جانبین کو بہت زیادہ جانی و مالی نقصانات اٹھانے پڑے۔ لڑائی کے دوران کریم داد خان ایک موقع پر سخت زخمی ہو گئے۔ لیکن اس کے سپاہیوں نے اسے گرفتار ہونے سے بچا لیا۔ زخمی میر کو علاج کی خاطر ایرانی شہر تربت جام لے جایا گیا۔ اس لڑائی میں ہرات کو کامیابی نصیب ہوئی جس کے بعد دئی زینیات پر ہرات کا تسلط اور بھی مستحکم ہو گیا۔ وہاں کے عوام کی قوت کو منتشر کرنے اور امراء کی طاقت کو کمزور کرنے کی خاطر حاکم ہرات نے دئی زینیات قبیلے کے تقریباً ۱۰ ہزار گھرانوں کو ہری رود دریا کے کنارے واقع دشت خشک نامی علاقے میں منتقل کر دیا[1] (دشت خشک غور دریاؤں کے درمیان واقع ہے) اور قلعہ نوشہر اور اس کے تمام قلعوں کو مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیا گیا یار محمد خان نے حکم دیا کہ بیگلر واحد کے علاوہ دی زینیات کے دو اور اشخاص حکومت کی تحویل میں دے دئے جائیں جبکہ ایک اور فرمان کے ذریعے دی زینیات کے علاقے کو کریم داد خان کے دو بھائیوں محمد قلی خان اور عبد العزیز کے حوالے کر دیا گیا کریم داد خان کا تیسرا بھائی اور قبیلے کے ۲۵ دیگر افراد ہرات میں یرغمال بنائے گئے البتہ کریم داد خان ہنوز حیات تھا اور قلعہ نو کے اطراف پر حکومت کرتا تھا لیکن حاکم ہرات کی اطاعت پر مجبور تھا اس طرح بوقت ضرورت یار محمد خان کی کمک کے لئے مسلح فوج کو بھیجنا بھی اس کے فرائض میں شامل تھا لیکن حسب سابق کریم داد خان نے کوئی خراج یا مالیہ ادا نہیں کیا اس کے بدلے وہ ہر سال چند گھوڑے دوستی کی علامت کے طور پر حاکم ہرات کو تحفے میں بھیجتا جس کے جواب میں یار محمد خان اس کے لئے کشمیری شال اور یورپ سے درآمد شدہ صنعتی مصنوعات روانہ کرتا جن کی قیمت ان گھوڑوں کی قیمت سے کہیں زیادہ ہوتی جو کریم داد خان حاکم ہرات کے لئے روانہ کرتا[2] چار سال اسی طرح گزر گئے اور جب ۱۸۵۷ء میں یار محمد خان

---

[1] افغانستان۔ فارس۔ ترکستان اور بلوچستان کا سفر صفحہ ۹۲۔

[2] افغانستان۔ ترکستان اور بلوچستان کا سفر صفحہ ۹۲۔ ۹۳۔

فوت ہوا تو دی زینیات کے میر نے دوبارہ اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا تب ہری رود کے اطراف میں منتقل کئے جانے والے دی زینیات کے دس ہزار گھرانے بھی واپس اپنی سرزمیوں پر آ گئے اور دوبارہ وہاں زندگی بسر کرنے لگے اسی دوران ہرات کے سردار تخت کے حصول کی خاطر ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہو گئے ایرانی اور برطانوی حکومتیں بھی ہرات کے معاملات میں کھلم کھلا دخل اندازی کرنے لگیں حتیٰ کہ ان حالات میں امیر کابل دوست محمد خان بھی خاموش نہ رہ سکا

۱۸۵۷ میں سردار احمد خان بارکزئی ہرات پر تخت نشین ہوا تو اس نے ایران کی طرف دوستی اور اتحاد کا ہاتھ بڑھایا اس طرح اس کے ساتھ ہی دی زینیات بھی ایران کے ساتھ اتحاد میں شامل ہوا[1] اور تب سے دی زینیات ۱۹ ویں صدی کی چھٹی دہائی تک مکمل آزاد اور خود مختار رہا۔[2]

۱۸۱۹ - ۸۰ کے دوران شمال مشرقی ہزارہ جات کے عوام ہمیشہ ازبک اور تاجک خوانین اور بیگوں کے بے رحمانہ حملوں اور چوری چکاری کا شکار رہے یہ حملے عموماً دو اہم شہروں قندوز اور سیغان سے ہوتے جہاں کے خوانین لوگوں کے مذہبی اختلاف سے فائدہ اٹھا کر غیر مسلمانوں (شیعہ ہزارہ) پر جہاد کے نام سے حملہ کرتے ان کی فصلوں کو آگ لگاتے اور ان کے مویشی ہانک کر لیجاتے بعض اوقات تو علاقے کے بعض افراد کو بھی گرفتار کر کے لے جاتے[3] اس سلسلے میں قندوز کا خان مراد بیگ بڑی شہرت رکھتا تھا جبکہ سیغان کا میر محمد علی بیگ بھی اس سے کسی طرح کم نہیں تھا مذکورہ خوانین ہزارہ جات پر حملوں کی قیادت خود کرتے حملوں کے دوران علاقے کی جو عورتیں ان کے ہاتھ لگتیں انہیں گرفتار کر کے لیجایا جاتا تھا جو بعد میں بزکشی کے مقابلوں میں اچھی کارکردگی دکھانے والے کھلاڑیوں کو انعام میں دی جاتیں سیغان کے حکام کو ہزارہ

---

[1] مرکزی ایشیاء جلد ۲ صفحہ ۳۲۳
[2] مرکزی ایشیاء کی سیاحت صفحہ ۱۳۲
[3] بخارا کا سفر جلد ۳ صفحہ ۳۵۴ - ایشیائی ممالک میں زراعت اور جغرافیائی محل وقوع صفحہ ۵۹ - ۷۶ - ۸

غلاموں کی خرید و فروخت سے اتنا منافع حاصل ہوتا تھا کہ ہزارہ قبائل پر حملہ چوری چکاری اور لوگوں کو گرفتار کر کے فروخت کرنا ان کے لئے انتہائی منافع بخش کاروبار بن گیا تھا[1] انگریز سیاح ڈاکٹر لارڈ (DR.LORD) کے مطابق انیسویں صدی کی تیسری دہائی کے وسط میں قندوز کے حکام کی آمدنی کا اصل ذریعہ وہی غلام تھے اُن سے حاصل ہونے والی آمدنی کا نصف حصہ قندوز کے ان جاگیرداروں کو ملتا تھا جو ان حملوں کی قیادت کرتے تھے جبکہ باقی نصف حصہ انکے مسلح ملازموں میں مساوی تقسیم کیا جاتا[2] ازبکوں اور تاجکوں کے حملوں سے محفوظ رہنے کی خاطر شمال مشرقی ہزارہ جات کے باشندے اس بات پر آمادہ تھے کہ ہر سال مقررہ مالیہ اور غلام قندوز اور سیغان کے حکام کو ادا کریں عموماً وہ مقررہ مقدار سے زیادہ مالیہ ادا کرتے تاکہ ان کے حملوں سے محفوظ رہ سکیں[3]

۱۸۳۰ء کے عشرے میں تاتار گاوی اور حبشی ہزارہ قبائل نے اپنی آزادی اور خود مختاری کے تحفظ کی خاطر قندوز کے خوانین سے اتحاد کر لیا تھا کیونکہ ان کی زمینیں قندوز کے ساتھ ہی واقع تھیں البتہ وہ اس بات کے پابند تھے کہ بوقت ضرورت اپنے مسلح افراد خوانین قندوز کی معاونت کے لئے روانہ کریں تاہم یہ کہ وہ کتنا مالیہ ادا کرتے تھے ؟ اس بات کا تذکرہ تاریخ میں نہیں ملتا[4] خوانین قندوز کے ساتھ ان کے اتحاد اور ان کی آزادی اور خود مختاری کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ایک زیادہ طاقتور میر ولی خان خلم سیاسی افق پر نمودار ہوا[5] سراج التواریخ کے مطابق کابل حکومت کے نمائندے اور دیگر وظیفہ خور ہزارہ جات سے فرار ہو گئے کیونکہ وہاں کے عوام سابق حکام کے جور و ستم سے تنگ آکر ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے[6] اس دوران جب تخت اور طاقت کے حصول کی خاطر

---

[1] افغانستان۔ فارس۔ ترکستان اور بلوچستان کا سفر جلد ۲ صفحہ ۳۰۷ ہندوستا اور پنجاب کے راستے ہمالیہ کا سفر جلد ۲ صفحہ ۳۹۵ امیر دوست محمد خان کی زندگی صفحہ ۱۹۱۔ اور بخارا کا سفر جلد ۲ صفحہ ۲۷۶

[2] خوانین قندوز صفحہ ۲۷۶

[3] دریائے آمو کے چشموں کی سیر صفحہ ۱۲۸

[4] افغانستان۔ بلوچستان اور پنجاب کا سفر جلد ۲ صفحہ ۴۰۰

[5] افغانستان۔ فارس۔ ترکستان اور بلوچستان کا سفر صفحہ ۲۱۶

[6] سراج التواریخ جلد ۲ صفحہ ۲۶۲

اندرون خانہ جنگیں ہو رہی تھیں تب بھی ہزارہ امراء اور خوانین کو اتحاد اور اتفاق کا خیال نہ آیا اس کے برعکس ذاتی مفادات کی خاطر بعض ہزارہ امراء نے امیر شیر علی خان کا ساتھ دیا تو بعض دیگر نے اس کے دشمنوں کا اس کے علاوہ بعض ایسے امراء بھی تھے جو ایک گروہ سے علیحدہ ہو کر دوسرے گروہ میں شامل ہو جاتے اسی طرح ایسے امراء کی بھی کمی نہیں تھی جن کی یہ کوشش تھی کہ ان معاملات میں پڑنے کے بجائے اپنی آزادی اور خود مختاری کا تحفظ کریں ہزارہ امراء میں اتحاد و یگانگت کے فقدان کا باعث دراصل وہاں کا مخصوص جاگیرداری نظام مختلف علاقوں کے جاگیرداروں کے باہمی اختلاف اور قبیلوں کے درمیان ہونے والی مستقل جنگیں تھیں جن کی وجہ سے ہزارہ امراء کے درمیان اتحاد و یگانگت کی فضاء کبھی قائم نہ ہو سکی اور بالآخر جب ۱۸۶۹ء میں امیر شیر علی خان دوبارہ تخت کابل پر متمکن ہوا تو ہزارہ خوانین اور امراء نے اسکی حمایت کا اعلان کر دیا جسکے نتیجے میں ان ہزارہ امراء کو جنہوں نے امیر شیر علی خان کا ساتھ دیا تھا سردار کے لقب سے نوازا گیا[۱] امیر شیر علی خان نے اپنی معتدل سیاست کے ذریعے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ ہزارہ جاگیرداروں کے اثر و رسوخ سے کام لیکر اپنی طاقت کو زیادہ مستحکم کرے اس نے کبھی ہزارہ امراء کو ختم یا کمزور کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اس نے ہمیشہ اس بات کی سعی کی کہ انہیں زیادہ سے زیادہ خوش رکھے تاکہ وہ مستقبل میں اس کے دست و بازو بن سکیں لہذا ان امراء کو جنہوں نے جنگ کے دوران اس کا ساتھ دیا تھا اعلیٰ خطابات کے علاوہ بلند مناصب سے بھی نوازا گیا مثلاً جاغوری کے خان احمد علی خاں کو جگرٹن (کرنل) اور شیر علی خان کو جنرل کا خطاب دے کر ان کو اپنے علاقوں کا باقاعدہ حکمران مقرر کیا گیا شیر علی خان اپنے ذاتی محافظوں کا انتخاب ہمیشہ ان علاقوں سے کرتا جہاں کے امراء ان کی دوستی اور وفاداری میں پیش پیش تھے اس نے اپنی فوج میں ہزارہ فوجیوں پر مشتمل دستے بھی تشکیل دیے اس دوران بھی شیر علی خان

---

[۱] اس سلسلے میں جاغوری کے سردار شیر علی خان کی مثال دی جا سکتی ہے

کو بعض ہزارہ قبائل مثلاً دی زینیات کی دوستی اور وفاداری پر بھروسہ نہیں تھا لہٰذا اس نے میر دی زینیات کے فرزندوں یا خاندان کے کسی دوسرے فرد کو اپنے پاس یرغمال بنائے رکھا مثلاً محمود خان خود تو کابل میں یرغمال تھا جبکہ اس کا بیٹا دی زینیات قبیلے کا میر تھا امراء عموماً امیر کابل کے لئے مالیہ اکٹھا کرنے کے علاوہ اپنا حصہ بھی عوام سے وصول کرتے افغان حکومت یا فوج میں کسی عہدے کے مالک میر کو حکومت کی طرف سے مستقل تنخواہ دی جاتی تھی امیر شیر علی خان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ ہزارہ قبائل کے داخلی معاملات میں مداخلت نہ کرے تمام ذرائع اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ہزارہ قبائل داخلی امور میں مکمل خود مختار تھے ب۔ روبنسن (B-ROBINSON) کے مطابق مشرقی ہزارہ جات کے امراء امیر شیر علی خان کے وفادار تھے لیکن داخلی معاملات میں مکمل خود مختار تھے[۱] اس طرح یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس دوران جب افغان حکومت کے اثرات ہزارہ جات اور ارد گرد کے تمام علاقوں پر مرتب ہو چکے تھے (خصوصاً انیسویں صدی کی ساتویں دہائی کے دوران) افغان حکمران ہزارہ جات پر اپنا دائمی تسلط قائم کرنے میں قطعاً ناکام رہے۔ جو قبائل کابل اور دیگر بڑے شہروں کے نواح میں آباد تھے وہ مالیہ ادا کرنے کے علاوہ بوقت ضرورت امیر کابل کی مدد کے لئے اپنے مسلح افراد بھی روانہ کرتے لیکن داخلی معاملات میں وہ بھی خود مختار تھے ہزارہ جات کے تمام انتظامی اختیارات میر ہی کو حاصل تھے داخلی معاملات میں میر علاقے کے بادشاہ کی حیثیت رکھتے تھے اس کیفیت میں اس وقت تبدیلی آئی جب عبدالرحمان (۱۸۸۰-۱۹۰۱) کابل میں ایک طاقتور افغان مرکزی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوا اور اس نے ہزارہ جات سمیت موجودہ افغانستان کے تمام علاقوں کی افواج کو اپنی فوج میں ضم کرنے کے بعد ایک آمر مطلق کی حیثیت حاصل کرلی اور یوں وہ ایک انتہائی ظالم اور مستبد بادشاہ کی حیثیت سے تخت نشین ہوا

---

[۱] سلطنت کابل صفحہ ۹

تیسرا باب

ہزارہ جات کی قومی تحریکیں
(انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں)

۱۸۸۰ء میں جب امیر عبدالرحمان خان طاقت کے حصول کی خاطر کابل میں اپنے حریفوں سے نبرد آزما تھا ہزارہ امراء بھی بالعموم اس کے حامی تھے امیر عبدالرحمان خان کی کامیابی کے بعد غزنی۔ جاغوری۔ شیخ علی۔ بہسود۔ مالستان اور دی زنگی کے امراء نے امیر کابل کے ساتھ اتحاد کرلیا ہزارہ امراء کا خیال تھا کہ نیا امیر بھی ان کے ساتھ وہی روابط رکھے گا جو اس سے پہلے کے امراء رکھتے چلے آرہے تھے لہذا وہ عبدالرحمان کے ساتھ انہی خطوط پر روابط اور دوستی کے بارے میں سوچتے تھے لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی (۱۸۸۰-۹۱) کے دوران عبدالرحمان خان نے اپنی انتہائی مکارانہ چالوں کے ذریعے ہزارہ جات پر حملہ کرکے بعض علاقوں پر قبضہ کرلیا[1] ہزارہ امراء میں یگانگت کے فقدان اور ان کی باہمی دشمنی اور عناد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عبدالرحمان خان کی افواج نے عبدالقدوس خان کی سربراہی میں بہت سی فتوحات حاصل کرلیں اس کے علاوہ کابل حکومت نے جاغوری اور بہسود کے بہت سے مسلح افراد کو اپنی فوج میں شامل کرلیا (درحقیقت) امیر دوست محمد خان نے افغانستان کو متحد کرنے کی خاطر جو سیاسی اور فوجی کوششیں کیں عبدالرحمان خان نے نہ صرف انہیں جاری رکھا بلکہ انہیں پایہ تکمیل تک بھی پہنچایا۔ امیر عبدالرحمان نے اپنے فولادی بازوؤں کی مدد سے علاقائی خود مختاریوں کو یکسر ختم کر دیا اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس سلسلے میں اس کی عسکری سیاست اس کے پیشروؤں

---

[1] ان علاقوں میں تقریباً پچاس ہزارہ قبیلے بود و باش رکھتے تھے جو مندرجہ ذیل تھے

اورزگان۔ سلطان احمد۔ لونی۔ حیدر۔ میر قدم۔ دایہ۔ فولادی۔ دونکہ۔ خواجہ۔ تارلیق۔ محمد دایہ۔ نہال۔ باسہ۔ دولت خان۔ نیک محمد۔ عزیز۔ آسکہ۔ تغلق۔ اوتینہ۔ خیال۔ چوپانگ۔ میرتلی۔ دارد۔ بارلاس۔ پنج پا۔ میر آدینہ۔ شاوی۔ تاجک۔ نوربیگ۔ حاجی خان۔ خوردک زیدہ۔ ملکی۔ مریدی۔ مکانک۔ غلام۔ زاولی۔ مراد۔ عنایت خان سہ پائی۔ خوشبو

سے زیادہ ترقی یافتہ تھی جسے وہ نہ صرف افغانستان کی سیاسی اور قومی وحدت کے لئے مفید تصور کرتا تھا بلکہ مختلف علاقوں کے خود مختار جاگیرداوں اور اہم خصوصیات کے حامل ملوک الطوائف حکومتوں کی نابودی سیاسی مفادات کے حصول اور سب سے بڑھ کر ایک آزاد خود مختار اور متحدہ افغانستان کے قیام کے لئے ناگزیر سمجھتا تھا امیر کی سیاست کے سبب افغانستان کے جدید انتظامی ڈھانچے کی تشکیل ہوئی مالیات کی وصولی کا طریق کار بھی جدید اور منظم خطوط پر استوار ہوا اسکے علاوہ فوجی دستوں کی نئے سرے سے تشکیل و تنظیم کے علاوہ عدالتی اور تعلیمی نظام بھی جدید خطوط پر استوار کئے گئے جو ایک متحدہ افغانستان کے لئے بہت ضروری تھے مذکورہ سیاسی تبدیلیوں کی بدولت نہ صرف یہ کہ مالیات کی مقدار ناگفتہ بہ حد تک تجاوز کر گئی بلکہ افغان جاگیرداروں نے بھی ہزارہ جات میں اپنے پاؤں جمانے شروع کر دیے اور انہوں نے رفتہ رفتہ وہاں کے حاکموں کی حیثیت اختیار کر لی البتہ ان کے اس عمل سے ہزارہ جات کے عوام عبدالرحمان کے خلاف ہو گئے ہزارہ جات پر اپنا مکمل تسلط قائم کرنے اور وہاں اپنے اثر و رسوخ کو استحکام دینے کی خاطر عبدالرحمان نے ہزارہ جات کے مختلف علاقوں میں اپنی فوج تعینات کر دی جو براہ راست علاقے کے گورنر کے تابع ہوتی فوج ہزارہ جات کے اندرونی معاملات میں ہمیشہ مداخلت کرتی یاد رہے کہ وہاں حکومتی نمائندے عبدالرحمان خان کے حکم کے مطابق انتظامی اور حکومتی امور میں انتہائی ظلم اور تعدی سے کام لیتے وہ عموماً ہر کام اپنی طاقت کے بل بوتے پر اور زبردستی انجام دیتے اس کے علاوہ وہ ہزارہ عوام کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کے مال و متاع پر زبردستی قبضہ کر لیتے تھے لہذا وہ ہزارہ جات میں اپنی ظالمانہ روش۔ چوری چکاری اور لوٹ کھسوٹ کی بدولت بہت کم عرصے میں بے پناہ مال و دولت ۔ طاقت ۔ اعلیٰ القاب و آداب ۔ بڑی بڑی زمینوں ۔ باغات ۔ گھوڑوں اور اونٹوں کے مالک بن بیٹھے[۱]۔ امیر عبدالرحمان خان نے ہزارہ امراء کی

۱؎ کلیات ریاضی صفحہ ۲۴۶ اور سراج التواریخ جلد ۲ صفحہ ۱۴۱۹

طاقت اور معاشرتی حیثیت کو کبھی درخوراعتنا نہیں سمجھا نہ ہی وہ ہزارہ امراء کو وراثت کا حق دینے کا قائل تھا جس میر کو پسند نہ کرتا اسے برطرف کر کے قید کر دیتا اور اس کی جگہ اپنے کسی وفادار دوست کو مقرر کر دیتا یعنی وہ امراء کی اپنی حیثیت کا بالکل بھی قائل نہ تھا اسی طرح عبدالرحمان کی کوشش تھی کہ ہزارہ جات کی سابقہ قبائلی اور طوائفی تقسیم کو ختم کر کے اسے نئی سیاسی اکائیوں میں مرتب کرے[1] ۱۹ ویں صدی کی آٹھویں دہائی کے اواخر میں مالیات کی مقدار میں بے پناہ اضافہ ہوا اور ہر خاندان کو مالیہ ادا کرنے پر مجبور کر دیا گیا زمینداروں سے مالیہ وصول کرنے کی خاطر ان کی زمینوں کی نئے سرے سے پیمائش کی گئی جبکہ مویشیوں کے مالکوں سے مالیہ مویشیوں کی تعداد کے حساب سے لیا جانے لگا زمین کا مالیہ اس تیزی سے بڑھا کہ اب زمین کی آدھی آمدنی مالیے کے طور پر دی جانے لگی باغات پر مالیہ مخصوص مقدار میں وصول کیا جاتا جسے طناب کہا جاتا تھا

مویشیوں کا مالک مالیہ ادا کرنے پر مجبور تھا خواہ اس کے پاس مویشیوں کی تعداد کتنی بھی ہوتی صنعتکاروں سے ان کے سرمائے اور مصنوعات کے چالیسویں حصے کے برابر مالیہ وصول کیا جاتا حد تو یہ کہ اب تمام بچوں ۔ بوڑھوں ۔ عورتوں اور مردوں سے بلا تمیز جنس و عمر سالانہ ایک نقرئی سکہ بطور مالیہ وصول کیا جانے لگا اس کے علاوہ ہر خاندان سے ۱۲ ۔ ۱۳ تنگہ بھی وصول کیا جاتا فوجی ملازموں کے اخراجات پورے کرنے کے لئے "نوکری مالیہ کے نام سے بھی رقم وصول کی جاتی آٹے کی چکی رکھنے والوں سے ایک اور بھی مالیہ وصول کیا جاتا جسے چکی مالیہ کہا جاتا تھا[2] مالیہ وصول کرتے وقت حکومتی کارندے وہاں کے عوام سے انتہائی سختی سے پیش آتے ان کے اس بڑھتے ہوئے جور و ستم اور ہزارہ امراء کی اہمیت اور مقام کو کم کرنے کی خاطر

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۷ ۵۲

[2] روسی مرکزی آرکائیو (باب ہزارہ)

عبدالرحمان کی سیاست نے وہاں کے تمام طبقات میں ناراضگیوں کو جنم دیا عوام نے حکومتی کارندوں کے جور و ستم کے خلاف بھرپور احتجاج کیا کیونکہ وہ مقررہ مقدار سے زیادہ مالیہ ادا کرنے پر ہرگز امادہ نہ تھے اس کے علاوہ امراء اور حاکم طبقے کے دیگر افراد بھی اپنے اثر و رسوخ میں کمی واقع ہونے کے باعث ناراض تھے سلطان امراء اور ملا اس بات سے بھی ناخوش تھے کہ انہیں ہر سال حاصل ہونیوالی آمدنی سے محروم کرکے حکومتی خزانے اور حکومتی کارندوں کی جیبیں بھری جارہی تھیں جس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہورہا تھا حکومتی اور فوجی عہدوں پر ہزارہ عوام کے لئے خاص طور پر پابندی عائد کردی گئی تھی اس سلسلے میں عبدالرحمان کی سیاست امیر شیر علی خان کے بالکل برعکس تھی حکومتی عہدوں کے لئے انتخاب کے وقت ہزارہ امراء اور جاگیرداروں کو بالکل نظرانداز کیا جاتا تھا اس لئے بھی ہزارہ امراء اور خوانین عبدالرحمان کے خلاف ہوگئے اور مسلح شورش کی تیاریاں کرنے لگے[1] انیسویں صدی کے اواخر میں افغانستان کی سیاسی - معاشی اور معاشرتی حالات کے علاوہ مذکورہ عوامل نے بھی ہزارہ قوم کو شورش پر مجبور کیا یوں تو اس شورش کا آغاز علاقائی سطح پر ہوا لیکن دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آگ پورے ہزارہ جات میں پھیل گئی البتہ افغانستان کی اس وقت کی صورت حال اور ہزارہ قوم کے قومی اور ملی تشخص نے بھی اس شورش پر گہرے اثرات مرتب کئے

مجموعی طور پر ہزارہ قومی تحاریک کو تین مراحل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے

۱ - پہلا مرحلہ - انیسویں صدی کی آٹھویں دہائی کا زمانہ

۲ - دوسرا مرحلہ - انیسویں صدی کی آخری دہائی جسے مزید دو ادوار میں تقسیم کیا جا

---

[1] عبدالرحمان کی مسلح فوج مختلف سوار دستوں پر مشتمل تھی جس میں ہزارہ فوجی بھی شامل تھے لیکن - یہاں یہ کہنا ضروری ہے کہ ان کو "خون پر مالیہ" کے نام سے فوج میں جبراً بھرتی کیا گیا تھا لہذا نہیں کبھی بھی کوئی انعام نہیں دیا جاتا تھا اور نہ ہی انکی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی میر کی فوج میں شامل ہزارہ فوجیوں میں ناراضگی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ انہوں نے کئی مرتبہ بغاوت کی خصوصاً ۱۸۸۷-۸۸ کے دوران انہوں نے حکومت کو کافی مشکلات سے دوچار کیا

سکتا ہے۔

الف۔ پہلا دور۔ اپریل ۱۸۹۲ تا جنوری ۱۸۹۳

ب۔ دوسرا دور۔ جنوری تا اگست ۱۸۹۳

۳۔ تیسرا مرحلہ۔ انیسویں صدی کی آخری دہائی اور بیسویں صدی کے آغاز کی تحریکیں

انیسویں صدی کی آٹھویں دہائی میں ہزارہ قومی تحریکیں

۱۸۸۰ کے دوران حکومت کابل کے خلاف ہزارہ قومی تحریک اور شورش کا آغاز ہزارہ جات کے ان علاقوں سے ہوا۔ جہاں کے امراء اس سے قبل امیر کابل کے متحدین اور تابعین تصور کئے جاتے تھے[1]۔ ہزارہ قوم کے مطالبات مندرجہ ذیل تھے۔

مالیات کی مقدار میں کمی کی جائے۔ حکومتی کارندوں کو ان پر جور و ستم اور ظلم کرنے سے باز رکھا جائے۔ ہزارہ امراء دینی رہنماؤں اور دیگر زعماء کو فی الفور رہا کر دیا جائے اور ہزارہ جات کی داخلی خود مختاری کی خاطر ان کے قدیم قبائلی روایات کا تحفظ کیا جائے۔

مذکورہ قومی تحریک کا آغاز غیر شعوری اور خودرو طریقے سے ہوا جو کہ منظم بنیادوں پر استوار نہیں تھی لہذا عبدالرحمان کی افواج کو ان تحریکوں کے کچلنے میں کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی البتہ شیخ علی قبیلے کی تحریک جسکا آغاز ۱۸۹۰ میں ہوا نسبتاً زیادہ منظم تھی اس کے علاوہ ان کی قوت بھی زیادہ تھی آیئے اس کی مزید کچھ توضیح کرتے ہیں۔

۱۲۹۹ ھجری (۱۸۸۱-۸۲) کے دوران شیخ علی قبیلے کی جائے سکونت یعنی درہ غوربند میں افغان فوجی دستے کے ساتھ ایک افغان حاکم کا تقرر ہوا شیخ علی کے عوام کو اس بات کا پابند کر دیا گیا تھا کہ وہ ان قافلوں کی نگرانی اور حفاظت کریں جو ان کی سرزمینوں سے گزرتے تھے اس کے علاوہ ضرورت پڑنے پر حاکم کی مدد کے لئے مسلح افراد کا دستہ روانہ کرنا اور افغان فوجیوں کو مویشی اور کھانے

---

[1] جن علاقوں میں شورش کا آغاز ہوا ان میں جاغوری (۱۸۸۰-۸۱) ... (۱۸۸۳) اور ... فولادی و مالستان (۱۸۸۵) شیخ تیمر (۱۸۸۲-۸۳) دی چوپان (۱۸۸۰) و ... حصش (۱۸۸۸) ... دی زنگی اور دی لنڈی (۱۸۹۰-۹۱) ... شیخ علی (۱۸۹۱)

پینے کی اشیاء فراہم کرنا بھی ان کی ذمہ داریوں میں شامل تھا شیخ علی کے عوام پر اپنا تسلط مضبوط کرنے کی خاطر حکومت نے حکم دیا کہ ان کے رئیس سید جعفر کو کابل میں یرغمال بنا کر رکھا جائے[1] چنانچہ سید جعفر اپنے اہل و عیال کے ساتھ بڑی عجلت میں مزار شریف منتقل ہو گیا حکومت کے اس اقدام سے شیخ علی کے روساء اور عوام حکومت کابل کے خلاف ہو گئے اور جب ۱۸۸۸ء میں احتجاج کا یہ سلسلہ ترکستان کے جنوب میں واقع محمد اسحاق خان کی ریاست تک پہنچا تو شیخ علی کے بعض طوائف (پنج قول علی جم) جو درہ تالہ بر فک اور آتش خواجہ میں رہائش پذیر تھے ان کی جدوجہد میں شامل ہوئے جس کے بعد انہوں نے کابل سے مزار شریف کی طرف جانے والے قافلے کو مکمل طور پر نابود کر دیا اور ان حکومتی کارندوں کو بھی کابل بھاگ جانے پر مجبور کر دیا جو مالیات کی وصولی اور دیگر امور کی انجام دہی کی خاطر وہاں آئے ہوئے تھے انہوں نے افغانوں کی اس فوج کو بھی مکمل نابود کر دیا جو مزار شریف سے کابل کی طرف جا رہی تھی اس دوران شیخ علی قبیلے کے بعض طائفوں نے نہ صرف یہ کہ باغیوں کی کوئی حمایت نہیں کی بلکہ انہوں نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ انہیں ان کی اس جدوجہد سے باز رکھے اور وہ ہتھیار پھینک کر کابل حکومت کو تسلیم کر لے اسی طرح بعض افراد نے تو ان کی اس جدوجہد کو ناکام بنانے اور اسحاق خان کو شکست دینے کی خاطر حکومت کابل کا براہ راست ساتھ دیا

اسحاق خان کو شکست دینے کے بعد کابل حکومت نے شیخ علی کے ان امراء کی گوشمالی کا فیصلہ کر لیا جنہوں نے اسحاق خان کا ساتھ دیا تھا ۲۴ سیدوں پر اسحاق خان کی حمایت اور طرفداری کا الزام لگا کر گرفتار کر لیا گیا جنہیں بعد میں قتل کر دیا گیا[2] یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ وہ کیا وجوہات تھیں کہ شیخ علی کے بعض خوانین نے اسحاق خان کا ساتھ دینے کی بجائے اس کی مخالفت کی۔ میری نظر میں اس بات کے پس پشت عبدالرحمان کی سیاست اور سازش

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۳۹۲۔۳۹۱

[2] کلیات ریاضی صفحہ ۲۴۶۔ سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۵۹۸۔۶۰۰ اور ۶۱۹

کارفرما تھی جس طرح پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ شیخ علی کے لوگ دو مذہبی فرقوں یعنی اہل سنت اور اسماعیلی فرقوں سے تعلق رکھتے تھے لہذا امیر عبدالرحمان نے شیخ علی پر اپنا تسلط قائم کرنے کی خاطر سازش کے ذریعے بڑی آسانی سے دونوں فرقوں کے اختلافات کو ہوا دیکر اپنی کامیابی کے لئے راہ ہموار کی کابل حکومت نے سنی امراء کو اسماعیلی امراء کے خلاف اکسایا چنانچہ اسحاق خان نے جونہی کابل حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا شیخ علی کے اسماعیلیوں نے فوراً اس کی حمایت کا اعلان کر دیا جب کہ اس کے برعکس سنی فرقے سے تعلق رکھنے والے ہزارہ قبائل ان کی مخالفت پر میدان میں اتر آئے۔ ۱۳۰۷ ہجری یعنی ۹۰-۱۸۸۹ کے دوران شیخ علی قبیلے کے درمیان سنی اور اسماعیلی فرقوں میں موجود اختلافات اور جھگڑوں نے شدت اختیار کر لی تب علاقے میں متعین کابل حکومت کے نمائندہ حاکم نے دونوں فرقوں پر علاقے کے امن و امان کو برباد کرنے اور قانون کی خلاف ورزی کے الزام میں ایک ایک لاکھ روپے جرمانہ عائد کیا[1] حکومت کے مذکورہ اقدام نے گویا جلتی پر تیل کا کام کیا اور یوں شیخ علی کے عوام حکومت کے اور زیادہ خلاف ہو گئے جنوری ۱۸۹۰ء میں انہوں نے ان حکومتی کارندوں کو مار بھگایا جو ان سے جرمانہ وصول کرنے آئے تھے انہوں نے علاقے کے حاکم کے ذاتی محافظوں پر حملہ کر کے ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور خود حاکم کو قلعے کے اندر محصور کر کے اس کا گھیراؤ کر لیا۔

شیخ علی کی تحریک عوامی تحریک تھی سراج التواریخ کے مطابق باغیوں کی تعداد چار ہزار کے قریب تھی[2] یہ دیکھ کر عبدالرحمان نے جو اس وقت مزار شریف میں مقیم تھا باغیوں کی سرکوبی کے لئے دو فوجی دستے روانہ کیے جو توپ خانہ سے بھی مزین تھے اس کے علاوہ عبدالرحمان نے شیخ علی کے آس پاس کے قبائل کو بھی حکم دیا کہ وہ اپنے مسلح آدمی ان باغیوں کی سرکوبی کے لئے

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۶۷۸

[2] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۶۸۳

روانہ کریں کیونکہ مزید فوج بھیجنا فی الحال عبدالرحمان کے لئے ممکن نہ تھا شیخ علی کے عوام نے اس مسلح فوج کا بھی صفایا کر دیا جو حاکم عبداللہ خان کی مدد کے لئے آئی تھی بعد میں انہوں نے عبدالرحمان کے نام ایک خط میں عبداللہ خان کے مظالم کی مکمل رؤداد بیان کرتے ہوئے گزارش کی کہ وہ انہیں عبداللہ خان کے جور و ستم سے نجات دلائیں خط کے آخیر میں انہوں نے عبدالرحمان کو اپنی وفاداری کا یقین دلاتے ہوئے کہا تھا کہ ان کی یہ جدوجہد حکومت کے خلاف ہرگز نہیں[1] اس کے علاوہ انہوں نے اس سنگین جرمانے کی منسوخی کی بھی گزارش کی جن کی ادائیگی ان کے بس میں نہیں تھی اس خط کے جواب میں عبدالرحمان خان نے حاکم عبداللہ خان کو برطرف کرنے کا اعلان کیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ شیخ علی کے تمام امراء سید اور دیگر ہزارہ زعما کو ان کے عہدوں سے برطرف کر دیا اس نے عبداللہ خان اور شیخ علی کے تمام امراء اور بزرگوں کو حکم دیا کہ وہ مزار شریف میں اس کی خدمت میں حاضر ہوں تاکہ وہ خود ان کے اختلافات کا جائزہ لے سکے لیکن شیخ علی کے امراء اور بزرگوں نے مزار شریف جانے اور عبدالرحمان کے ہاں حاضری دینے سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اپنی جدوجہد کو بھی جاری رکھنے کا اعلان کیا

انہوں نے ان مسلح فوجیوں کو بھی شکست فاش دے دی جن کا سربراہ حاکم خنجان محمد سرور خان تھا اس طرح انہوں نے غورېند کے حاکم سید جعفر خان کی فوج کو بھی مکمل نابود کر دیا ان کی پے در پے کامیابیوں کو دیکھ کر گاوی قبیلے کے بعض سرکردہ افراد نے بھی ان کی اس شورش کی حمایت کا اعلان کر دیا حالانکہ اس سے قبل وہ ان کی مخالفت کرتے تھے ان حالات کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے عبدالرحمان نے ان کی جدوجہد کو کچلنے کے لئے سخت اقدام کرنے کا فیصلہ کر لیا اس نے تین ہزار مسلح فوجیوں پر مشتمل باقاعدہ فوج کے دستے کے علاوہ تین ہزار مسلح افراد پر مشتمل ایک امدادی فوج ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کی (ان

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۶۶۴

میں تاتاری قبیلے کے افراد بھی شامل تھے) حملہ آوروں کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ باغیوں کے گھر اور مال و متاع پر قبضہ کریں لیکن تمام باغیوں کو گرفتار کرکے اس کے سامنے پیش کیا جائے [1] شیخ علی کے عوام نے بڑی بے جگری اور جواں مردی سے حکومتی افواج کا مقابلہ کیا وہ دشمن کی تاک میں بیٹھ جاتے اور موقع ملتے ہی ان پر حملہ کرکے ان کے اسلحے اور خوراک پر قبضہ کر لیتے بعض علاقوں میں انہوں نے زبردست کامیابیاں حاصل کیں لیکن طاقت کے غیر متوازن ہونے کی وجہ سے ان کی تحریک کو کچل دیا گیا ان کی اس شکست کی ایک وجہ یہ تھی کہ بعض امراء نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا مثلاً کرم علی قبیلہ جو پہلے ان کا حامی تھا بعد میں حکومت کے ساتھ مل گیا اور باغیوں کے خلاف لڑنے لگا ہتھیار پھینک کر حکومت کی حمایت کرنے والوں سے اس بات کا عہد لیا گیا کہ وہ عبدالرحمان خان کی طرف سے عائد کردہ جرمانہ ادا کریں گے نیز دیگر مالیات بھی باقاعدگی کے ساتھ ادا کرتے رہیں گے [2] جون - جولائی ۱۸۹۰ کے دوران جنگ میں بہت شدت آگئی اس کے ساتھ ہی باغیوں کو گرفتار کرکے اجتماعی طور پر پھانسیاں دی جانے لگیں مفتوحوں کو بڑی تعداد میں غلام بنا دیا گیا ماہر کاریگروں کو کابل لے جایا گیا جہاں ان سے زبردستی لوہے چمڑے اور دیگر مصنوعات کے شعبوں میں کام لیا جانے لگا [3] کسانوں کو جنوبی ترکستان اور قندھار منتقل کر دیا گیا جبکہ ان کی جگہ ۱۸۹۳ کے دوران افغان خانہ بدوشوں (کوچیوں) کے بعض قبائل کو شیخ علی میں آباد کر دیا گیا [4] جن عوامل نے شیخ علی کے عوام کو جد و جہد اور شورش پر مجبور کیا وہ مندرجہ ذیل تھے

مالی استحصال اور استبداد کے علاوہ حکومتی کارندوں کا عوام کے ساتھ ظالمانہ رویہ جس نے تمام ہزارہ قوم کو گوناگوں صدمات سے دوچار کر دیا تھا نچلا طبقہ تو ان مظالم سے سب سے زیادہ متاثر ہوا تھا اپنے عہدوں اور مناصب سے

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۶۷۹

[2] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۶۶۳ - ۶۹۴ - ۶۸۳ اور ۶۸۷ اور کلیات ریاضی صفحہ ۱۶۰

[3] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۷۴۴ - ۹۵۳

برطرفی کے باعث چونکہ امراء اور دیگر زعما اپنی آمدنی سے محروم ہو چکے تھے اس لئے ان کے دلوں میں کابل حکومت کے خلاف نفرت اور بھی بڑھ گئی

عبدالرحمان کے ان اقدامات کی وجہ سے چونکہ شیخ علی کے مذہبی راہنماؤں (ملا وغیرہ) کی آمدنی اور معاشرتی حیثیت میں بہت کمی آئی تھی لہذا ان کی ناراضگی بھی بغاوت کی ایک وجہ ہو سکتی ہے وہاں کے امراء اور خوانین اس بات کے قطعی خلاف تھے کہ تمام قوت محض کابل حکومت کے پاس ہو کیونکہ اس طرح خود ان کی حیثیت اور طاقت میں کمی آتی اس کے علاوہ وہ حکومتی انعام واکرام سے بھی محروم ہو جاتے وہاں کے عوام کو بھی حکومت کابل سے بے پناہ شکایتیں تھیں چنانچہ امراء اور دیگر بزرگوں نے اپنے معاشرتی۔ مذہبی اور روحانی اثر و رسوخ سے کام لے کر اپنے علاقے کے عوام کو شورش اور جدوجہد پر آمادہ کیا لیکن اس کے باوجود عبدالرحمان نے ہزارہ قبائل کے درمیان نفرتوں اور اختلافات کی جو دیواریں کھڑی کی تھیں وہ گرائی نہ جا سکیں لہذا شیخ علی کے عوام مکمل متحد نہ ہو سکے بلکہ اس کے برعکس بعض امراء عبدالرحمان سے جا ملے لیکن جہاں تک عوام کا تعلق ہے انہوں نے اپنے قدیم روایات کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے امراء اور عمائدین کے کہنے پر ہتھیار اٹھا لئے حالانکہ نہ تو ان کے پاس خاطر خواہ طاقت تھی اور نہ ہی اس جدوجہد میں ان کا اپنا ذاتی مفاد تھا بلکہ وہ تو صرف اپنے بزرگوں کے کہنے پر لڑ رہے تھے اور جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ کابل کے خلاف اور ہزارہ جات کی خود مختاری کی خاطر قومی تحریکوں نے وہاں عبدالرحمان سے قبل بھی کئی بار سر اٹھایا تھا

آزاد ہزارہ جات کی تسخیر اور ہزارہ قوم کی جدید تحریکیں

۹۱ - ۱۸۸۰ کے دوران عبدالرحمان خان نے ہزارہ جات کے بعض ایسے علاقوں پر قبضہ کر لیا جو آزاد اور خود مختار تھے ہزارہ عوام پر وہاں کے جاگیرداروں اور امراء کے ظلم وستم نے عبدالرحمان خان کی کامیابیوں کو زیادہ سہل بنا دیا لوگوں پر اس بات سے کوئی فرق نہ پڑتا کہ ظلم کون کر رہا ہے چنانچہ انہوں نے کابل حکومت کے خلاف زیادہ مزاحمت نہیں کی دراصل لوگوں کا خیال تھا کہ علاقے پر کابل حکومت کا تسلط قائم ہونے کے بعد وہ اپنے امراء اور جاگیرداروں کے ظلم و جور سے آزاد ہو جائیں گے لیکن بعد میں انہیں احساس ہوا کہ اب انہیں ہزارہ امراء کے علاوہ افغان جاگیرداروں کا ظلم بھی سہنا پڑے گا ان عوامل کو دیکھتے ہوئے مفتوحہ علاقوں کے عوام دوبارہ متحد ہو گئے اور کابل کے خلاف جدوجہد پر کمربستہ ہوئے

اب آئیے اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ اس جدید شورش کی بنیادی وجہ کیا تھی ان کی مسلح جدوجہد کے کیا عوامل تھے ؟ اور بالآخر یہ کہ ان کی اس مسلح جدوجہد کا مقصد کیا تھا؟

ہزارہ جات کے آزاد اور خود مختار علاقوں کی تسخیر کے بعد وہاں وہ افغان فوجی جاگزین ہوئے جنہوں نے مذکورہ علاقوں کی تسخیر میں حصہ لیا تھا مثلاً بریگیڈیر زبردست خان اور میجر فیض اللہ خان اپنی افواج کے ساتھ اورزگان میں جاگزین ہوئے اس طرح میجر محمود اللہ خان اجرستان کیپٹن عبدالصمد مالستان میجر فرہاد خان جاغوری اور عبدالقدوس خان اپنی فوج کے ساتھ گیزاب میں سکونت پذیر ہوا

مذکورہ بالا فوجی دستے نہ صرف جنگی سازوسامان اور فوجی طاقت سے لیس تھے بلکہ انتظامی امور میں بے جا مداخلت بھی کرتے رہتے تھے اس کے علاوہ مذکورہ علاقوں میں حکومت کابل کے اثر ورسوخ اور مفادات کا تحفظ بھی ان کے

ذمے تھا ہزارہ جات کے سیاسی اور اقتصادی امور پر ان کو مکمل کنٹرول حاصل تھا محمد یوسف ریاضی کے مطابق فوجی لوگوں سے بڑی بے رحمی سے پیش آتے چنانچہ لوگ جلد ہی ان کے ظلم وستم سے تنگ آگئے[1] لوگوں کے ہر قسم کے سرد و آتشیں اسلحے کو جمع کر کے انہیں بالکل بے دست وپا کر دیا گیا فیض محمد کے مطابق اسلحے کی جمع آوری کے دوران بھی انتہائی ظلم وستم سے کام لیا گیا تمام گھروں کی سختی سے تلاشی لی گئی عبدالقدوس خان نے امیر کابل کو اپنے ایک خط میں لکھا کہ ہزارہ رعایا کو قید وبند سے دوچار کرنے اور دہشتناک اذیتیں دینے کے علاوہ انہیں بھوکے خونخوار کتوں کے آگے ڈال دیا جاتا ہے[2] فیض محمد خان کے مطابق امیر کے کاتبوں نے ان مظالم کی روک تھام کے لئے کوئی بھی خط روانہ نہیں کیا جس کی وجہ سے افغان فوجوں کے ظلم وستم میں دن بہ دن اضافہ ہوتا گیا افغان فوجی جو کہ سنی مسلک سے تعلق رکھتے تھے ہزارہ قوم کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے شوہروں سے ان کی بیویوں اور والدین سے ان کی اولاد کو چھین لیا جاتا تھا ہزارہ جات میں متعین ایک افغان جاسوس نے امیر عبدالرحمان کو لکھا کہ عبدالقدوس خان کی فوج کے آفیسر اور منصب دار ہزارہ بزرگوں کی بیٹیوں کو زبردستی ان سے چھین لیتے ہیں[3] اور اپنا تمام وقت خوشی اور مستی میں گزارتے ہیں حکومتی کارندے اس ڈر سے کہ کہیں وہ کسی مرحلے پر کمزور نہ پڑ جائیں ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتے کہ ہزارہ امراء اور بزرگوں کو قید میں رکھے اس مقصد کے لئے انہیں کابل بھیجا جاتا جہاں انہیں خفیہ قید خانوں میں رکھا جاتا حد تو یہ کہ بعض اوقات امیر کابل کے حامی امراء کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا تھا (مثلاً سلطان احمد زاولی اور اورزگان کے امراء[4]) کابل سے عبدالقدوس کو ہدایات بھیجی گئیں کہ مقبوضہ ہزارہ جات میں جتنے بھی کربلائی زوار سید اور ارباب ہوں

---

[1] کلیات ریاضی صفحہ ۲۴۹

[2] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۵۴، ۵۶۔ اور کلیات ریاضی صفحہ ۲۴۹

[3] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۳۹، ۴۰۔ ۴۵، ۶۱۔ اور کلیات ریاضی صفحہ ۲۵۰

[4] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۳۳، ۴۰۔ کلیات ریاضی صفحہ ۲۵۹

انہیں گرفتار کر کے کابل بھیج دیں جو افراد کابل حکومت کے طرفدار تھے وہاں انہیں مختلف مناصب سے نوازا گیا اور جنہوں نے کسی بھی فریق کا ساتھ نہیں دیا تھا انہیں افغانستان کے دور افتادہ علاقوں میں جلاوطن کیا گیا۔ جبکہ شورش میں حصہ لینے والے تمام افراد کو کابل ہی میں قید کر دیا گیا تاکہ آئندہ ان میں سے کوئی بھی حکومت کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کا سوچ بھی نہ سکے[۱]۔ عبدالرحمان کے متذکرہ اقدامات کو دیکھ کر ہزارہ جات کے عوام ایک مرتبہ پھر متحد ہوئے اور دوبارہ حکومت کابل کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے عبدالرحمان کا ذاتی معالج گرے ((GRAY) ہزارہ جات کی اس شورش کے بارے میں لکھتا ہے "ہزارہ عوام اس بات پر آمادہ ہیں کہ وہ سنگین مالیات بادشاہ کو ادا کریں لیکن وہ اعلیحضرت کے کارندوں (فوجیوں) کے ظلم و ستم سہنے پر بالکل آمادہ نہیں اور وہ ان سے بہت تنگ آچکے ہیں[۲]" یاد رہے کہ ہزارہ نشین علاقوں پر مکمل قبضے کے بعد افغان جاگیرداروں نے بھی وہاں کے عوام پر ظلم وجور کا بازار گرم کر رکھا تھا ہزارہ جات پر جلد از جلد قبضہ کرنے کی خاطر عبدالقدوس خان نے دئی کنڈی۔ دئی زنگی اور دیگر قبائل کے امراء کو گرفتار کر کے ان کو دست بستہ کابل کی طرف روانہ کیا جہاں انہیں نافرمانی کے جرم میں قید کر دیا گیا۔ علاقے کی زمینوں کی نئے سرے سے پیمائش کی گئی تاکہ ان پر مالیے کی مقدار کا از سرنو تعین کیا جا سکے۔ دئی چوپان کے لوگوں سے جنہوں نے مالیہ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا انکی اولاد حتیٰ کہ بیویوں کو بھی زبردستی چھین لیا گیا۔ تقریباً سو افراد کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ جبکہ باقی تمام افراد سے ان کا اسلحہ چھین لیا گیا۔ یہ سارا عمل انتہائی ظلم وجور تباہی اور بربادی کے ساتھ دہرایا گیا[۳]۔ فیض محمد خان کے مطابق ان تمام باتوں نے ہزارہ قوم کو ایک بار پھر ہتھیار اٹھانے پر مجبور کیا کیونکہ ان ظلم و ستم کرنے والوں سے پوچھ گچھ کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ انیسویں صدی کی آخری دہائی

---

[۱] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۶۱۰
[۲] امیر اور میری ذمہ داریاں صفحہ ۲۰۷
[۳] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۳۳۰

کے آغاز تک ہزارہ جات کے حالات اس نہج کو پہنچ گئے تھے کہ مسلح جدوجہد کے علاوہ وہاں کے عوام کے سامنے کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ چنانچہ رمضان ۱۳۰۹ ہجری بمطابق اپریل ۱۸۹۲ ہزارہ جات کے مقبوضہ علاقوں سے مسلح جدوجہد کا دوبارہ آغاز ہوا انہی دنوں زبردست خان کی فوج کے تین افراد کے ہاتھوں پہلوان قبیلے کے ایک بزرگ کی شدید ایذار سانی کے بعد ہلاکت اور اس کی بیوی کی بے حرمتی نے گویا جلتی پر تیل کا کام کیا۔ میاں بیوی کے قبیلوں اور علاقے کے دیگر تمام افراد نے عزم کیا کہ اس دشوار زندگی سے ہزار بار موت بدرجہا بہتر ہے چنانچہ انہوں نے اس فعل کے مرتکب ان افغان فوجیوں کو قتل کر ڈالا[1]۔ اس جدوجہد میں پہلوان قبیلے کے ہر فرد نے حصہ لیا ابتداء میں انہوں نے فوجی ٹھکانوں کو اپنے حملوں کا نشانہ بنایا کیونکہ لوگوں سے چھینے گئے تمام اسلحے وہیں رکھے جاتے تھے۔ محافظوں میں موجود تمام افغان فوج اور مسلح افراد کو قتل کر دیا گیا[2] پھر ایک رات مزید سو افراد کو قتل کرنے کے بعد انہوں نے اورزگان میں ایک مضبوط فوجی قلعے پر بھی قبضہ کر لیا۔ جہاں لوگوں سے چھینے گئے اسلحے اور دیگر اشیاء کی حفاظت کی جاتی تھی۔ اس واقع کے بعد اورزگان کے دیگر قبائل بھی ان سے آملے جس کے بعد انہوں نے وہاں متعین بریگیڈئر زبردست خان کی فوج کو نہایت آسانی سے ختم کر دیا لیکن وہ خود زخمی ہونے اور دو توپخانوں سے محروم ہونے کے بعد اورزگان سے بھاگ گیا۔ ان کی کامیابیوں کو دیکھتے ہوئے جلد ہی فولادی۔ سلطان احمد۔ دایہ۔ میرآدینہ اور ہزارہ جات کے دیگر قبائل بھی ان کی جدوجہد میں شریک ہو گئے۔ اس طرح نہایت مختصر مدت میں ہزارہ جات کے تمام علاقے اس شورش کی زد میں آ گئے[3]۔ پھر نہایت مختصر مدت میں ہزارہ جات میں موجود تمام افغان فوج کو یکے بعد دیگرے نیست و نابود کر دیا گیا۔ سوائے محمد اللہ کی فوج کے جو شکست کھانے کے بعد

---

[1] کلیات ریاضی صفحہ ۲۵۹۔ ۲۵۰۔ سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۷۶۰۔ ۷۶۱

[2] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۷۶۱

[3] کلیات ریاضی صفحہ ۲۵۰

اجرستان کی طرف بھاگ گئی اور وہاں ایک قلعہ میں پناہ لے لی۔ مختلف ذرائع کے مطالعے سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اس جدوجہد کا آغاز اگرچہ غیر شعوری اور غیر منظم طریقے سے ہوا لیکن ان دنوں ہزارہ جات میں کچھ ایسے حالات تھے کہ ایک علاقائی تحریک جس کا آغاز ایک کم آبادی والے قبیلے پہلوان (جو تقریباً ۵۰۰ گھرانوں پر مشتمل تھا) سے ہوا دیکھتے ہی دیکھتے تمام ہزارہ جات میں پھیل گئی۔ اگرچہ عوام کی اکثریت نے اس جدوجہد میں حصہ نہیں لیا۔ لیکن اس کے اثرات نے جلد ہی مقبوضہ علاقوں سے نکل کر دیگر علاقوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ چورہ قبیلے کی سرزمین وہ پہلی جگہ تھی جہاں اس شورش کو پذیرائی حاصل ہوئی۔ وہاں کے لوگوں کی جدوجہد غیر شعوری نہیں تھی بلکہ انتہائی منظم خطوط پر استوار تھی۔ وہ اپنے کسی بڑے یا رئیس کے احکامات پر عمل کرتے تھے۔ انکا رئیس اس جدوجہد کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کی خاطر عوام کے مذہبی جذبات سے بھی کام لیتا تاکہ اس طرح لوگوں کو زیادہ سے زیادہ شورش پر آمادہ کر سکے[1] اگرچہ ابتدا میں صرف عام رعایا نے ہی اس شورش میں حصہ لیا لیکن ان کی پے در پے کامیابیوں کو دیکھتے ہوئے جاگیردار طبقہ بھی نہ صرف ان سے آملا بلکہ ان کی قیادت بھی کرنے لگا۔ ان میں سب سے طاقتور اور باثر میر دئی زنگی کا عظیم بیگ تھا۔ وہ پہلا ہزارہ میر تھا جس نے ۱۸۸۷ میں کابل حکومت کو تسلیم کیا تھا اور اس کے بدلے نہ صرف سردار کے لقب سے نوازا گیا تھا بلکہ ۱۶۶۰ روپے سالانہ اس کی تنخواہ بھی مقرر کی گئی تھی۔ لیکن میر محمد عظیم بیگ ہزارہ جات میں عبدالرحمان کی جابرانہ سیاست کا سخت مخالف تھا چنانچہ موقع ملتے ہی وہ اپنے مسلح ساتھیوں کے ہمراہ ہزارہ باغیوں سے آملا اس کے علاوہ اس نے فولادی۔ دایہ۔ میرآدینہ۔ چورہ اور غالباً سلطان احمد اور زاولی قبائل کی بھی قیادت سنبھالی جبکہ فولادی قبیلے کا سربراہ قاضی محمد عسکر اس کا معاون مقرر ہوا محمد عظیم بیگ کی کوشش تھی کہ اس کی شورش ایک مکمل قومی تحریک کی

---

[1] کلیات ریاضی صفحہ ۲۵۰

شکل اختیار کریں اور تمام ہزارہ جات میں پھیل جائے ۔ انہوں نے تمام ہزارہ امراء کا ایک غیر معمولی اجلاس (جرگہ آدقول) منعقد کیا جس میں سب نے متفقہ طور پر کابل حکومت کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اجلاس کے آخر میں سب نے قرآن مجید کی پشت پر اپنے دستخط کئے اور مہر ثبت کی[1]۔ امیر کابل کے خلاف ان کا یہ اعلان جنگ انتہائی غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ انیسویں صدی کی آٹھویں دہائی کے دوران ابھرنے والی ہزارہ قوم کی تحریک کابل حکومت کے خلاف نہیں تھی بلکہ اس کی وجوہات معاشی تھی اور وہ مالیات کی مقدار میں کمی اور ظلم و جبر کے خاتمے کا مطالبہ کر رہے تھے لیکن انیسویں صدی کی نویں دہائی کے آغاز میں ابھرنے والی تحریک کا مقصد ہی یہی تھا کہ ہزارہ جات سے کابل حکومت کے اثر و نفوز کا مکمل خاتمہ کیا جائے یعنی جدید تحریک کے مقاصد مکمل سیاسی تھے ۔ چنانچہ افغانستان کے دیگر علاقوں سے بھی امیر کابل کے مخالفین ان کی جد و جہد میں شامل ہونے لگے ۔ ان حقائق کو مد نظر رکھا جائے تو میمنہ کے ازبکوں اور چند افغان آفیسروں کی ان کے ساتھ شمولیت کی وجوہات سمجھ میں آ سکتی ہیں۔ حکومتی ذرائع نے جن افراد کے ناموں کی فہرست تیار کی ان میں ذکر کیا گیا تھا کہ کابل میں بعض حکومتی عہدیدار اور امراء بھی اس کوشش میں تھے کہ عبدالرحمان کی حکومت کا تختہ الٹ دیں[2] اگرچہ انہوں نے ہزارہ عوام کا اعلانیہ اور بھرپور قوت سے ساتھ نہیں دیا لیکن ان کی محض حمایت ہی حکومت کابل کے لئے خطرے کا باعث بن سکتی تھی ۔ خود عبدالرحمان کو بھی اس سلسلے میں بہت زیادہ تشویش تھی چنانچہ اس نے ان کی تحریک کو کچلنے کی خاطر اپنی تمام مسلح افواج کے علاوہ بھرپور اقتصادی اور دیگر وسائل سے کام لیا۔ عبدالرحمان کے خلاف جنگ کا اعلان کرنے اور آپس میں عہد و پیمان کرنے کے بعد قوم کے تمام امراء اور خوانین اپنے اپنے علاقوں کی

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۰۰ ـ ۸۰۷ ـ ۸ ـ ۸۰۸ اور ہزارستان صفحہ ۱۶

[2] کلیات ریاضی صفحہ ۲۵۲

طرف چلے گئے اور تحریک ایک نئے عزم اور ولولے کے ساتھ تیز تر ہو گئی جس کے بعد دئی کنڈی کے امراء باقر بیگ۔ محمد رضا بیگ اور محمد جان بیگ بھی ان کی جد و جہد میں آ شامل ہوئے اسی طرح گجران (آسکہ) گیزاب اور تمزان کے عوام بھی حکومت کابل کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور جاغوری۔ قلندر۔ شیرک اور پیشی کے بزرگوں اور سربراہوں نے بھی نہ صرف ان کی حمایت کا اعلان کر دیا بلکہ ان کی جد و جہد میں بھی شامل ہوئے۔ اس رجحان کو دیکھتے ہوئے ہزارہ جات میں متعین حاکم سے لے کر تحصیلدار تک تمام درجے کے حکومتی کارندے اپنی جانوں کے خوف سے کابل کی طرف بھاگ گئے اس جد و جہد کے دوران ہزارہ جات کے عوام نے اپنے ان امراء اور خوانین کو بھی قتل کر دیا۔ جو امیر کابل کے ساتھ دوستی برقرار رکھے ہوئے تھے۔

مئی ۱۸۹۲ (ذی العقد ۱۳۰۹ ہجری) کو دئی زینیات قبیلے نے بھی کابل حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ پچھلی شورش کے پاداش میں دئی زینیات قبیلے کے تمام افراد کو جنوبی افغانستان میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے وہاں متعین تمام حکومتی اہلکاروں کو مار بھگایا اور روسی سرحد پر واقع تمام فوجی ٹھکانوں پر قبضہ کر لیا مذکورہ واقعات کے بعد روسی حکومت نے اپنے نمائندوں اور اہلکاروں کو ایک خط میں لکھا کہ " ہمارے لئے لازم نہیں کہ ہم ہزارہ اور جمشیدیوں کی افغان حکومت کے خلاف جنگ میں کوئی مداخلت کریں، مذکورہ ہدایات مئی ۱۸۹۲ کو روسی وزارت خارجہ کی طرف سے روسی وزارت دفاع کو ارسال کی گئیں[1]۔ جلد ہی تحریک ہزارہ جات کے کونے کونے میں پھیل گئی۔ حتیٰ کہ امیر کابل کے دربار میں کام کرنے والے ہزارہ ملازمین کے علاوہ کابل فوج کے ہزارہ فوجیوں نے بھی ہزارہ جات کی راہ اختیار کی اور جد و جہد میں شامل ہوئے[2] جس کے بعد عوام نے ہزارہ جات میں موجود خوراک کے تمام ذخائر پر

---

[1] روس کی خارجی سیاست (مرکزی ایشیاء) ۱۸۹۳

[2] کوہ باباکی سرزمین صفحہ ۱۷۳ اور سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۰۰

قبضہ کر لیا۔ انہوں نے فوجی اور جنگی نوعیت کے تمام اہم راستوں پر مضبوط قلعے اور ٹھکانے تعمیر کئے تاکہ امیر کابل کی جنگجو اور مسلح فوج کو باآسانی نقصان پہنچا سکیں اس طرح ہزارہ جات کے اہم راستے امیر کابل کے لئے یا تو مکمل طور پر بند ہو گئے یا انتہائی خطرناک ہو گئے انہوں نے اپنے بزرگوں کی نگرانی میں تمام راستوں پر قلعے خندقیں اور خفیہ کمین گاہیں تعمیر کئے جن میں ان کے مسلح افراد ہمیشہ موجود رہتے۔ یہ بات انتہائی اہم اور قابل ذکر ہے کہ ہزارہ قوم پہلی مرتبہ اپنے اندر موجود تمام قبیلوی اور طائفوی گروہ بندیوں کو پس پشت ڈال کر متحد ہوئی تھی یاد رہے کہ بعض ہزارہ قبائل مثلاً فولادی (مالستان) باغوچری۔ یذدری۔ غاری اور عتاک قبائل کے علاوہ بہسود دئی زنگی اور دئی کنڈی کے بعض خوانین مغربی غزنی کے ساکنین حبش اور اور گاڈی قبائل کے سربراہوں نے ان کی تحریک کا ساتھ نہیں دیا بلکہ وہ عبدالرحمان کی وفاداری کا ہی دم بھرتے رہیں۔ اس کی ایک وجہ ان کی کمزوری اور بزدلی بھی ہو سکتی ہے یا پھر شاید ان کے آس پاس امیر کابل کے مسلح دستے موجود تھے۔ جس کی وجہ سے انہوں نے امیر کابل کی اطاعت اور وفاداری ہی میں عافیت سمجھا۔ اور جدوجہد میں شامل نہیں ہوئے۔ ہزارہ قوم کی یہ مسلح تحریک امیر عبدالرحمان اور ان کے رفقاء کے لئے نہ صرف انتہائی خطرناک بلکہ مرگ آگین تھی۔ اس دوران جمشیدی اور فیروز کوہی قبائل بھی ان کی جدوجہد میں شامل ہوئے اس کے علاوہ میمنہ کے ازبکوں حتیٰ کہ وہاں کے گورنر محمد شریف خان نے بھی ان کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ اس نے محمد عظیم بیگ کے نام ایک خط میں لکھا کہ وہ جلد ہی ان سے آملیں گے اور ہزارہ قوم کے شانہ بشانہ امیر عبدالرحمان کے خلاف لڑیں گے۔ محمد شریف خان نے دیگر ہزارہ رہنماؤں کے نام بھی حمایتی خطوط ارسال کئے[1]۔ اسی دوران کابل اور کوہستان کے باشندے بھی ان کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور انہیں اپنے تعاون کی پیشکش کی۔ کابل کے لوگ عبدالرحمان کی ظالم حکومت کے

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۰۰ اور ۸۰۳

خلاف تھے ۔ لہذا انہوں نے شورش کی آگ کو مزید ہوا دی ۔ وہ کابل کے اہم حکومتی اور فوجی راز باغیوں تک پہنچاتے[۱]۔ شروع میں تو کابل حکومت نے ان کی اس جدوجہد کو زیادہ اہمیت نہیں دی انکا خیال تھا کہ اس تحریک کو ہزارہ جات میں متعین افغان فوجوں اور کچھ امدادی فوج کے ذریعے آسانی سے کچل دیا جائیگا۔ لیکن عبدالقدوس خان کی فوج جو کج قول کے مقام پر تعینات تھی جب محمد عظیم بیگ کی فوج کے ہاتھوں مکمل طور پر نابود ہوئی تو کابل حکومت کا ماتھا ٹھنکا۔ عبدالقدوس خان نے کوشش کی کہ کمک کے لئے آنے والی فوج کے ذریعے اپنی شکست کا انتقام لے لیکن اس نے دوبارہ بھرپور شکست کھائی اور قلات غلجائی کی طرف بھاگ گیا ۔ اس طرح جنرل شیر محمد خان[۲] کی فوج کو بھی بڑی آسانی سے شکست دی گئی ۔ جو فولادی ۔ دایہ اور اجرستان پر قبضے کی نیت سے آئی تھی ۔ اس لڑائی کے دوران بہت سارا اسلحہ جن میں ۱۲ ۔ توپیں بھی شامل تھیں ہزارہ قوم کے ہاتھ لگا[۳]۔ بالاخیر عبدالرحمان نے حالات کی نزاکت کا احساس کر لیا اور اُس نے "کافر" اور "گنہگار" ہزارہ قوم کے خلاف جہاد مقدس کا اعلان کر دیا[۴]۔ اعلان میں کہا گیا کہ ہزارہ قوم کے خلاف جہاد میں حصہ لینے والوں کو ان کی (ہزارہ قوم کی) دولت انعام میں دی جائیگی ۔ جبکہ ہزارہ بچوں اور عورتوں کو غلام بنایا جائے گا[۵]۔ ہزارہ قوم کی تحریک کو کچلنے کی خاطر بہت زیادہ طاقت کا اہتمام کیا گیا اس سلسلے میں چالیس

---

[۱] کلیات ریاضی صفحہ ۲۵۱

[۲] جنرل شیر محمد خان دراصل ایک انگریز تھا جس کا نام مسٹر کیمپ بیل تھا اسے انگریزوں کی طرف سے پشاور میں عبدالرحمان کی خدمت پر مامور کیا گیا تھا (شیر محمد انوری)

[۳] روس کی خارجی سیاست ۱۸۹۲ ۔ کلیات ریاضی صفحہ ۲۵۰ اور سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۲۷۷ ۔ ۲۸۴ ۔

[۴] سنی عوام کو ہزارہ قوم کے خلاف اشتعال دینے میں ان کے علماء نے بہت اہم کردار ادا کیا انہوں نے ہزارہ قوم کے خلاف جہاد مقدس کا فتویٰ دیا وہ ہر روز مساجد میں نماز کی ادائیگی کے بعد اپنے خطبے میں اپنے عوام کو اس جہاد پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے تھے (زندگی نامہ عبدالرحمان خان جلد ۱ صفحہ ۲۸۳ ۔ کلیات ریاضی صفحہ ۲۵۳ اور روس کی خارجی سیاست آرکائیو) ۱۸۹۲

[۵] عبدالرحمان نے اپنے فرمان میں کہا تھا کہ جو لوگ میرے یعنی امیر اسلام کے خلاف جنگ کر رہے ہیں انہیں ختم ہونا چاہیے ان کے سر میرے ہیں البتہ ان کی اولاد اور مال و مویشی میں تمہیں بخش دیتا ہوں (سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۰۹ ۔ ۸۱۲

ہزار پیادہ اور دس ہزار سواروں پر مشتمل باقاعدہ فوج جو تقریباً سو توپوں سے مزین تھی کے علاوہ ایک لاکھ پیادہ اور بیس ہزار سواروں پر مشتمل رضاکاروں کی فوج تشکیل دی گئی[1] اس مقدس جہاد میں افغان خانہ بدوشوں (کوچیوں) نے انتہائی جوش و خروش کے ساتھ اور بہت زیادہ تعداد میں حصہ لیا۔ انہوں نے عبدالرحمان کا اعلان انتہائی شوق سے سنا اور جوق در جوق ہزارہ قوم کے خلاف جہاد میں شریک ہوئے[2]۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کوچیوں نے جس شوق اور ولولے سے ہزارہ قوم کے خلاف جنگ میں حصہ لیا اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ہزارہ جات میں وسیع و عریض زمینوں اور سرسبز چراگاہوں کی بہتات تھی اور اس سے قبل وہاں کے عوام نے افغان کوچیوں کو کبھی ان چراگاہوں کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ لہٰذا جنگ کے سوا اس بات کا کوئی امکان نہیں تھا کہ کوچی ان چراگاہوں کے مالک بن سکیں۔ اس مسئلے پر پہلے بھی کئی بار کوچیوں اور ہزارہ قوم میں جنگیں ہو چکی تھیں۔ لوگوں کو ہزارہ قوم کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے کے لئے قندھار۔ فراہ۔ ہرات کہمرد۔ سیغان۔ کابل۔ واخان۔ تاشقرغان۔ مزار شریف۔ بدخشان۔ غزنی اور جلال آباد میں سرگرمیاں اپنے عروج کو پہنچ گئیں۔ بعض علاقوں میں کئی مخصوص اقدامات بھی عمل میں لائے گئے مثلاً ہزارہ قوم کے خلاف لڑنے والوں کی حوصلہ افزائی اور امداد کی خاطر ہرات کے ہر گھرانے اور تاجر سے ان کی سالانہ آمدنی کا ۸۵% حصہ جمع کیا گیا[3]۔ کابل فوجوں نے باغیوں کے پورے علاقے کو مکمل طور پر گھیرے میں لے لیا۔ ان فوجوں کی سربراہی جنرل غلام حیدر خان (جو بعد میں فاتح بامیان بنا) جنرل عطا خان اور شیر محمد خان کر رہے تھے۔ دیگر ہزارہ قبائل کو ان سے دور رکھنے اور آپس میں ملنے نہ دینے کی خاطر کابل حکومت نے کافی داؤ پیچ آزمائے۔ اس کے لئے انہوں نے اپنے خاص روایتی ہتھیار یعنی لالچ اور رشوت کو بھی آزمایا تاکہ ان کے

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۱ ۷۔ ۸۲ ۷۔ ۸۰۹۔ ۸۱۲

[2] کلیات ریاضی صفحہ ۲۵۸

[3] روس کی خارجہ سیاست ۱۸۹۲

رہنماؤں میں پھوٹ ڈال کر انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ کر سکیں۔ یاد رہے کہ دئی زنگی اور دیگر قبائل کے بعض امراء نے محض منصب اور دولت کے حصول کی خاطر نہ صرف ہزارہ قوم سے غداری کی بلکہ ان کی تحریک کو کچلنے کی ہر ممکن کوشش کی ۔ حالات کی نزاکت اور عبدالرحمان کے تیور دیکھتے ہوئے انگریز استعمار گروں نے حالات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ۔ انگریز ہمیشہ ایسے موقع کی تاک میں رہتے تھے جس سے وہ فائدہ اٹھا کر افغانستان کے داخلی امور میں مداخلت کر سکیں اور وہاں اپنے قدم جما سکیں۔ انہوں نے عبدالرحمان کو پیش کش کی کہ اگر اس کی اجازت ہو تو چند انگریز افسروں کو حکومت کی مسلح افواج کے مشیر کے طور پر ہزارہ جات بھیجا جائے جو ہزارہ باغیوں کی سرکوبی کا کام سر انجام دے سکیں۔ لیکن عبدالرحمان نے ان کی اس پیش کش کو قبول نہیں کیا دراصل امیر عبدالرحمان خطرناک صورت حال کو بھانپ گیا تھا اور اس کا خیال تھا کہ اگر انگریزوں نے ہزارہ جات میں اپنی سرگرمیاں شروع کیں تو وہ افغانستان کی غیر یقینی سیاسی صورت حال سے فائدہ اٹھا کر سرحدی تنازعات کو اپنی مرضی کے مطابق حل کرنے کے علاوہ بعض شرائط بھی اس پر عائد کریں گے ۔ لہذا اس نے جنرل رابرٹ کی سرکردگی میں آنے والے انگریز فوجیوں کے وفد کی پیش کش کو رد کر دیا۔[۱]

جب زما مداران حکومت ہزارہ جات پر حملے کی تیاریوں سے پوری طرح مطمئن ہو گئے تو ہزارہ قوم پر بھرپور حملے کا آغاز ہوا ۔ پہلا حملہ دئی زینیات پر ہوا ۔ یہ حملہ کابل حکومت کی باقاعدہ فوج اور ہرات کی امدادی فوج نے مل کر کیا ۔ دئی زینیات قبیلے کے سرکردہ افراد کے مابین اختلافات اور رنجشوں کے سبب مذکورہ لڑائی کے آغاز ہی سے اس کے نتائج واضح ہونے لگے لیکن اسی دوران حکومتی افواج کو بعض علاقوں میں شدید مزاحمتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا ۔ اور انہیں سنگین نقصانات اٹھانے پڑے جس کی وجہ سے ان کے جوش و خروش میں

---

[۱] تاریخ افغانستان (سائکس) جلد ۲ صفحہ ۱۷۳

بہت کمی آئی دی زینیات پر جلد ہی قبضہ کر لیا گیا اور وہاں کے تمام امراء اور بزرگوں کے خاندانوں کو ہرات کے دورا فتادہ علاقوں میں منتقل کر دیا گیا جہاں انہیں یرغمال بنا کر رکھا گیا[1] مذکورہ کامیابیوں کے بعد حکومتی افواج نے جون ۱۸۹۲ء میں بڑے حملے کا آغاز کر دیا ہزارہ قوم اور حکومتی افواج کے درمیان انتہائی خونریز لڑائیاں ہوئیں ان لڑائیوں کے دوران ہزارہ قوم نے جس شجاعت اور بہادری کا مظاہرہ کیا اس کا اعتراف تمام ذرائع کرتے ہیں[2] طرفین میں ایک خونریز لڑائی گیزاب کے نزدیک کج قول کے مقام پر ہوئی جس میں بالآخر بیس ہزار مسلح افراد پر مشتمل فوج جس کی کمان عبدالقدوس خان کے ہاتھ میں تھی باغیوں پر قابو پانے میں کامیاب ہوئی اور یوں گیزاب پر قبضہ کر لیا گیا تمام امراء کو گرفتار کرنے کے بعد ان کے سروں کو تن سے جدا کر کے قندھار روانہ کیا گیا جہاں ان کے سروں کے متعدد مینار بنائے گئے[3] امیر عبدالرحمان کی فوج نے اجرستان میں بھی کامیابی حاصل کی اور قاضی عسکر کے قلعے پر قبضہ کر لیا اسی طرح بھاری جانی و مالی نقصانات اٹھانے کے بعد بالآخر انہوں نے کوشنیک پر بھی قبضہ کر لیا اسی دوران میمنہ کے ازبک بھی محمد شریف خان کی سربراہی میں باغیوں کی مدد کو آپہنچے تین ہزار ازبکوں کی اس فوج نے کامران خان اسحاق زئی کی فوج کو مکمل شکست دے کر اسے نابود کر دیا اسی طرح حاکم درزاب محمد اکبر خان کی فوج کو بھی مکمل شکست دی گئی لیکن بالآخر میمنہ کے ازبک بھی محاصرے میں گھر گئے اور یوں میمنہ اور ہرات کے درمیان رابطہ مکمل طور پر منقطع ہو گیا ازبکوں کی اس شورش کے سبب غلام حیدر خان ہزارہ جات میں اپنی سرگرمیوں کو جزوی طور پر معطل کرنے اور اپنی فوج کے ایک بڑے حصہ کو میمنہ روانہ کرنے پر مجبور ہوا جہاں ان کے درمیان چار خونی جنگیں ہوئیں[4] دو جنگوں

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۷۹۰ - ۷۹۳ اور کلیات ریاضی صفحہ ۲۵۴

[2] کلیات ریاضی صفحہ ۲۵۸

[3] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۰۶ - ۸۰۵ - ۸۱۶ - ۸۱۷

[4] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۰۰ - ۸۰۲ - ۸۱۱

میں محمد شریف خان کو کامیابی ہوئی لیکن آخر کار اس پر قابو پالیا گیا محمد شریف خان کو شکست دینے کے بعد حکومتی افواج فیروز کوہیوں کی طرف متوجہ ہوئیں جنہوں نے دولت یار کے آس پاس موجود افغان فوجوں کا مکمل خاتمہ کر دیا تھا انہوں نے سرپل پر بھی حملہ کیا لیکن ان پر بھی قابو پالیا گیا ان چھوٹے موٹے خطرات کا سدباب کرنے کے بعد حکومتی افواج نے دوبارہ ہزارہ جات کا رخ کیا جہاں انہیں متعدد بار شکست سے دوچار ہونا پڑا بامیان میں بھی انہیں عبرتناک شکست ہوئی یکاولنگ پر افغان فوج نے میجر محمد عمر خان کی سرکردگی میں حملہ کیا جسے محمد امیر بیگ ایلخانی کے مسلح گروہ نے شکست دے دی[۱] افغان فوج کو دوسری عبرتناک شکست سر جنگل کے مقام پر ہوئی اس فوج کے سربراہ میر انداز خان اور محمد امیر خان تھے لیکن ہزارہ قوم کی کامیابیوں پر اس وقت ضرب پڑی جب سپہ سالار غلام حیدر خان کی فوج نے (دہ سرخ) قلعے پر قبضہ کر لیا اور اس طرح محمد امیر بیگ کی بامیان کی طرف پیش قدمی رک گئی اسی دوران حکومت کی کوششوں سے بعض ہزارہ راہنماوں میں پھوٹ پڑ گئی اور بعض امراء نے اس تحریک سے کنارہ کشی اختیار کرنے اور حکومت اور غلام حیدر خان کی معاونت پر رضامندی ظاہر کر دی (ان میں محمد امیر بیگ ایلخان کا بھتیجا بھی شامل تھا) چنانچہ محمد امیر بیگ ایلخان کو شکست ہوئی اور وہ اپنے چند وفادار ساتھیوں کے ہمراہ ایران کی طرف فرار ہو گیا دوسری طرف عوام نے بھی اپنی جانوں کے خوف سے پہاڑوں میں پناہ لے لی اگست ۱۸۹۲ء میں ہزارہ قوم کی یہ تحریک فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہوئی آخری فیصلہ کن لڑائی اجرستان میں لڑی گئی جہاں محمد عظیم بیگ کی سربراہی میں تازہ دم فوج حکومتی افواج کے مقابلے کے لئے تیار کھڑی تھی لڑائی "تاوہ چقمق" کے مقام پر لڑی گئی اگرچہ ایک روز قبل محمد عظیم بیگ نے گل بادام کے مقام پر جزوی فتح حاصل کر لی تھی وہاں شدید لڑائی میں جنرل میر عطا خان کی فوج کو بھاری جانی و مالی نقصانات اٹھانے کے بعد

---

[۱] کلیات ریاضی صفحہ ۲۵۳

شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا لیکن جب محمد امیر بیگ ایلخان کی شکست کی خبر محمد عظیم بیگ کی فوج تک پہنچی تو انہوں نے نفسیاتی طور پر اس کا بہت اثر لیا اور پسپائی اختیار کی لیکن یہ کام بھی انہوں نے انتہائی مہارت اور منظم طریقے سے کیا اور اس کاروائی کے دوران ان کے صرف سات آدمی گرفتار کر لئے گئے جس میں دو عورتیں بھی شامل تھیں[1] عظیم بیگ کی پسپائی کے بعد افغان فوج نے ان کا تعاقب کرنا شروع کر دیا اور بالآخر کوہ شنیک کے مقام پر ان کو جا لیا وہاں طرفین کے درمیان شدید لڑائی کا آغاز ہوا جو تقریباً سات گھنٹے تک جاری رہی اس لڑائی میں افغان فوج کا شدید نقصان ہوا لیکن آخر کار محمد عظیم بیگ کی فوج کو منتشر کر دیا گیا اور آخری لمحوں میں محمد عظیم بیگ کو بھی گرفتار کر لیا گیا جسے بعد میں کابل لے جا کر پھانسی دے دی گئی[2] اس طرح اگست ۱۸۹۲ء کے وسط تک باغیوں کی ایک بڑی طاقت کو منتشر کر دیا گیا لیکن اس کے باوجود دایہ اور فولادی قبائل کے بعض سربراہوں نے پہاڑوں میں پناہ لے کر جنگ جاری رکھی اس کے علاوہ بعض ایسے قبائل بھی تھے جنہوں نے ہتھیار پھینکنے کے بجائے اپنی جدوجہد جاری رکھی ان میں زاولی۔ سلطان احمد۔ اورزگان۔ دی چوپان۔ دی کنڈی۔ قلندر۔ پشی اور تیرک قبائل کے بعض سربراہ شامل تھے

ان کو ہتھیار پھینکنے کے بعد امیر کابل کی طرف سے رعائت ملنے کا کوئی یقین نہیں تھا ان کا کہنا تھا کہ حکومت جھوٹی قسم کھا رہی ہے اورزگان میں بھی ایک طاقتور گروہ اپنی لڑائی جاری رکھے ہوئے تھا جن کی سرکوبی کی خاطر حکومت نے اپنی باقاعدہ اور منظم فوج بھیجی اس گروہ کا مرکز اورزگان شہر تھا وہاں کے عوام نے حکومتی افواج کا انتہائی دلیری اور شجاعت سے مقابلہ کیا اور اپنے ٹھکانوں اور

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۱۶

[2] محمد عظیم بیگ اور میر عطا خان کے درمیان ہونے والی تینوں لڑائیوں کے بارے میں مختلف ذرائع میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن تمام ذرائع اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ہزارہ قوم نے ان جنگوں میں نہایت دلیری اور شجاعت دکھائی اور انہوں نے حکومتی افواج کو بہت زیادہ جانی و مالی نقصان پہنچایا
(کلیات ریاضی صفحہ ۲۵۲۔ ۲۵۳ اور سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۱۶۔ ۸۲۰۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷

خندقوں کا بہادری سے دفاع کیا لیکن حکومتی افواج کی اکثریت کے باعث وہ اورزگان شہر کی طرف ان کی پیش قدمی کو نہ روک سکے اور اس طرح اورزگان شہر کا محاصرہ کر لیا گیا بعد میں کئی اور فوجی دستے جن کی سربراہی جنرل میر عطا خان۔ شیر محمد خان اور عبداللہ خان کر رہے تھے بھی محاصرہ کرنے والی فوج سے آملے شہر کے امراء اور بزرگوں کے درمیان چونکہ ہم آہنگی کا فقدان تھا اس لئے شہر میں ان کا کوئی ایک سربراہ نہیں تھا بلکہ ہر قبیلے کے رئیس یا میر کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ سب کی قیادت کریں چنانچہ ہر گروہ کی سرگرمی کا دارومدار اس کے رئیس یا میر کی صوابدید پر تھا حکومتی افواج نے اپنے حملے کا آغاز کیا شدید لڑائی کے دوران تقریباً پانچ ہزار افغان حملہ آور مارے گئے جب کہ اورزگان کے تقریباً تین ہزار باشندے بھی اس لڑائی میں کام آئے[1] دریں اثنا دی کنڈی کے میر سلیمان بیگ نے اورزگان شہر کے محصورین کی مدد کے لئے فوج لے کر جانے کی کوشش کی لیکن بعض قبائل کی غداری کے سبب وہ ایسا نہ کر سکا اس طرح ہزارہ قوم کا ایک مرکز جہاں سے ان کی شورش کا آغاز ہوا تھا حکومت کے قبضے میں چلا گیا اسی دوران عبدالقدوس خان کو جس نے ہزارہ جات پر حملے کے دوران بہت سی مشکلات اور مصائب کا سامنا کیا تھا سبکدوش کر کے کابل روانہ کر دیا گیا[2] اورزگان کی تسخیر کے بعد وہاں قتل عام کا سلسلہ شروع کیا گیا لوگوں کے گھروں کو آگ لگائی گئی اور مال واسباب لوٹا گیا نہ صرف مردوں کو قتل کر دیا گیا بلکہ عورتوں اور بچوں کے بھی سر قلم کئے گئے[3] بہت سی عورتوں اور بچوں کو کابل لے جا کر انتہائی سستے داموں فرخت کیا گیا[4] اورزگان۔ پہلوان۔ شیخہ۔ سید اور درویش

---

[1] کلیات ریاضی صفحہ ۲۵۸۔۲۶۰ اور سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۲۸۔۸۲۹

[2] عبدالقدوس خان کی سبکدوشی اور اس کی کابل طلبی دراصل ایک افواہ کے نتیجے میں عمل میں آئی جس کی رو سے عبدالقدوس خان حکومت سے غداری کر کے ہزارہ قوم سے مل گیا تھا (عبدالرحمان کا تاشقند سے کابل کی طرف فرار صفحہ ۱۰۸)

[3] کلیات ریاضی صفحہ ۲۶۰

[4] روس کی خارجی سیاست ۱۸۹۴

علاقوں کی تسخیر کے بعد حکومتی افواج نے اپنی تمام تر توجہ پشی قلندر اور دی چوپان کی طرف مبذول کر دی جو اورز گان کے جنوب میں واقع تھے وہاں حکومت کو زیادہ مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا مغربی ہزارہ جات میں جہاں شیوا اور دی کنڈی قبائل آباد تھے اور دی زنگی اور بہسود کے ان امراء کا جنہوں نے دوبارہ ہتھیار اٹھا لئے تھے حملہ پسپا کر دیا گیا[1] اس طرح خزان ۱۸۹۲ء تک بغاوت کی آگ کو بڑی حد تک خاموش کر دیا گیا ہزارہ قوم کو شکست کا سامنا کرنا پڑا لیکن سردیوں کی آمد اور شدید برفباری کے باعث حکومت وہاں اپنی سرگرمیاں جاری نہ رکھ سکی اور یوں وہ بھی مکمل کامیابی حاصل کرنے میں ناکام رہی عبدالرحمان کے لئے اپنی فوجی سرگرمیاں معطل کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا ان جنگوں کے دوران امیر کی فوجوں کو شدید جانی و مالی نقصانات کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اس کی فوج کی تقریباً نصف تعداد ان لڑائیوں میں کام آئی تھی لہذا امیر نے حکم دیا کہ آرام کے دوران نئے افراد بھرتی کر کے فوج کو دوبارہ مکمل کیا جائے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر وہ گروہ جنہوں نے پہاڑوں میں پناہ لے رکھی تھی نیچے اتر آئے اور مستقبل کے لئے تیاریاں کرنے لگے

ہزارہ قوم کی اس شورش کو کمزور کرنے کے لئے عبدالرحمان نے ہزارہ جات میں اپنی مضبوط حکومت قائم کرنے کا فیصلہ کیا اس مقصد کے لئے ہزارہ جات کو نئے انتظامی ڈھانچوں میں تقسیم کیا گیا اور وہاں کے انتظامات سنبھالنے کے لئے تازہ دم فوجیں بھیجیں گئیں اس کام کا بڑا حصہ امیر حبیب اللہ خان کی تخت نشینی کے دوران پایہ تکمیل کو پہنچا ہزارہ جات کو مختلف ریاستوں میں تقسیم کرنے کے بعد ہر ریاست پر ایک حاکم مقرر کیا گیا قاضی - مفتی - محرر اور دیگر اشخاص کو حاکم کے قریبی معتمدین کے طور پر مقرر کیا گیا جبکہ ان کی مدد و معاونت کے لئے مسلح فوجی دستے بھی ان کے حوالے کر دیے گئے بطور حاکم ان افغان خوانین کا انتخاب کیا جاتا تھا جو امیر کابل سے ذاتی مراسم رکھتے تھے

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۶۹

مذکورہ حکام کو ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے جن علاقوں کے عوام نے بغاوت میں حصہ نہیں لیا تھا اور تاحال امیر کابل کی وفاداری کا دم بھرتے تھے وہاں ان کے اپنے امراء کو حاکم مقرر کیا گیا ہزارہ جات میں جو قاضی تعینات کئے جاتے وہ علاقے کے تمام مذہبی امور حنفی مسلک کے مطابق سرانجام دیتے[1] اس طرح وہ اس بات کی کوشش کرتے کہ ہزارہ جات میں شیعہ مذہب کو ختم کر کے وہاں حنفی مذہب رائج کیا جائے

ہزارہ جات کی شورش میں حصہ لینے والوں کو سخت ترین سزائیں دی گئیں لوگوں کو گرفتار کر کے ان پر بے پناہ تشدد کیا گیا ان پر سنگین جرمانے عائد کئے گئے انہیں ان کے مال و دولت سے یکسر محروم کر دیا گیا اور ان سے ہر قسم کا اسلحہ چھین لیا گیا شورش کی آگ کو خاموش کرنے کے بعد اس بات کا عزم کیا گیا کہ ہزارہ قوم کو دوبارہ سر اٹھانے کی اجازت نہیں دی جائے گی لہذا فیصلہ کیا گیا کہ ہزارہ جات کے حاکم اور جاگیردار طبقے کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے کیونکہ مذکورہ بغاوتوں سے یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ ہزارہ امراء اور دیگر راہنما جب بھی چاہتے ہزارہ قوم کو حکومت کے خلاف لڑنے پر آمادہ کر سکتے تھے لہذا ۱۸۹۲ء میں خزاں اور سردی کے موسموں کے دوران تمام ہزارہ امراء خان سلطان اور دیگر راہنماؤں اور ان کے پورے خاندان کی اجتماعی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوا جنہیں بعد میں کابل روانہ کیا گیا[2] اس طرح انتہائی مختصر عرصے میں تقریباً دو ہزار افراد کو گرفتار کر کے کابل روانہ کر دیا گیا[3] جہاں ان گرفتار شدگان کی اجتماعی پھانسیوں کا سلسلہ شروع کیا گیا جو کئی ہفتوں تک جاری رہا ہر روز تقریباً سو افراد کو سولیوں پر لٹکایا جاتا جبکہ مقتولین کی بیواؤں بچوں اور بچیوں کو بازار میں بیس سے چالیس روپے تک میں فروخت کر دیا جاتا مذکورہ اقدامات کے سلسلے میں

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۲۹

[2] کلیات ریاضی صفحہ ۲۵۳

[3] صرف جاغوری قبیلے سے خزاں ۱۸۹۲ کے دوران ۶۰ افراد کو گرفتار کیا گیا۔ اس طرح محمد خواجہ کے ۷۵ سیدوں اور دایہ کے ۱۳۱ افراد کو گرفتار کیا گیا

بعض ہزارہ امراء نے بھی حکومت کا ساتھ دیا ایسے امراء نہ صرف حکومت کے لئے باغی راہنماؤں کی مخبری کرتے بلکہ ان کو گرفتار کرانے میں بھی مدد دیتے[1] جس ہزارہ پر شک کیا جاتا اسے گرفتار کر کے اذیت ناک تشدد سے دوچار کیا جاتا ہزارہ باغیوں کو قتل کرنے کے علاوہ ان کے گھروں کو بھی مسمار کیا جاتا ان کی دولت پر قبضہ کیا جاتا اور ان کے باغوں اور کھیتوں کو مکمل پائمال کیا جاتا ان اقدامات کے بارے میں خود حکومتی ذرائع بھی تفصیل کے ساتھ شہادتیں فراہم کرتے ہیں[2] دراصل ان تمام اقدامات کا مقصد صرف یہ تھا کہ ہزارہ جات کو افغان کوچیوں کے گدھوں اور خچروں کی چراگاہوں میں تبدیل کیا جائے ہزارہ جات کے تمام علاقوں کو بری طرح نقصان پہنچایا گیا اجرستان کے علاقے کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا وہاں کے کسان اور رعایا اپنی زمینوں اور وسائل معاش سے محروم ہونے کے بعد ملک سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے وہ بھوکے پیاسے گروہوں کی صورت میں نکلے اور انہوں نے ہزارہ جات کے اطراف میں پناہ لے لی ان کی اکثریت بھوک اور سردی کی شدت سے ہلاک ہوئی ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی جو پہاڑوں میں پناہ تلاش کرنے اور وہاں زندگی بسر کرنے میں کامیاب ہوئے ان کی یہ اجتماعی اموات نہ صرف بھوک اور بیماری کی وجہ سے واقع ہوئیں بلکہ ۱۸۹۲ء کے موسم سرما میں تمام اشیائے خوردنی کی ضبطی نے بھی ان کی ہلاکت میں اہم کردار ادا کیا ان حقائق کی تہہ تک پہنچنے کے لئے آئیے حکومت کے بعض اقدامات کا جائزہ لیتے ہیں

پانچ سو گھرانوں پر مشتمل دایہ قبیلے کے دوسو پچاس خروار جَو اور قلندر اور عتاک قبائل کے چھ سو خروار گندم کو بحق سرکار ضبط کر لیا گیا اس کے علاوہ ان پر سنگین جرمانے بھی عائد کئے گئے مثلاً فولادی قبیلے پر چالیس ہزار روپے زاولی اور سلطان احمد پر بتیس ہزار روپے اور میر آدینہ پر پچیس ہزار روپے جرمانہ عائد

---

[1] کلیات ریاضی صفحہ ۲۵۲ اور سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۱۷ - ۸۱۸ - ۸۲۷ - ۸۲۸ - ۸۳۵ - ۸۴۵ - ۸۵۰ - ۸۵۳ - ۸۶۷ - ۸۶۸ - ۸۷۸

[2] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۱۸ - ۸۱۹ - ۸۵۵

کیا گیا ہزارہ جات کا شیرازہ بکھر جانے اور کھیتوں اور باغوں کی ویرانی کے باوجود حکومتی کارندے ہزارہ عوام سے مالیے نقدی جرمانے اور اشیائے خوردنی پوری مقدار میں اور انتہائی جبر کے ساتھ وصول کرتے[1] حکومت کی طرف سے عائد کردہ مالیہ ادا کرنے کے علاوہ ہزارہ عوام حکومتی کارندوں کی جیبیں بھی پر کرنے پر مجبور تھے کیونکہ حکومتی کارندے عجیب وغریب طریقوں سے اپنی جیبیں بھرتے مثلاً جس شخص سے جرمانہ وغیرہ وصول کیا جاتا ان سے مزید جرمانہ وصول نہ کرنے کی خاطر بڑی بڑی رقمیں وصول کی جاتیں اسی طرح دیگر بیسیوں طریقوں سے ان کا استحصال کیا جاتا تھا زیادہ سے زیادہ آمدنی وصول کرنے کی خاطر رشوت ستانی عام ہوگئی تھی اور ان پر برملا عمل کیا جاتا تھا حکومت نے ان رشوت ستانیوں اور لوٹ کھسوٹ کو ختم کرنے کے لئے میر عطا خان سے جس نے (ناجائز ذرائع سے تقریباً ایک لاکھ تریسٹھ ہزار دوسو ساٹھ روپے اور تقریباً اتنی ہی مقدار میں دیگر اشیا جمع کرلی تھیں) سے اس کی آمدنی کا زیادہ حصہ لے کر سرکاری خزانے میں جمع کر دیا گیا اور اسے صرف گیارہ ہزار دوسواسی روپے ۱۸ غلام اور تقریباً اتنی ہی کنیزیں واپس دے دی گئیں[2] ہزارہ عوام ان سنگین جرمانوں اور مالیات کی ادائیگی کے لئے اتنے مجبور تھے کہ اپنے بیوی بچوں کو فروخت کرتے تاکہ ان سے حاصل ہونے والی آمدنی سے جرمانوں اور مالیات کی ادائیگی کر سکیں[3] اس طرح ہزارہ جات غلاموں اور کنیزوں کی منڈی میں تبدیل ہو کر رہ گیا ہزارہ عورتوں اور بچوں کی خرید وفروخت ان کی تصدیق وتائید حتیٰ کہ پشت پناہی سرکاری فرامین کے ذریعے ہوتی کنیزوں اور غلاموں کے خریدار کے لئے لازم ہوتا کہ وہ ان کی قیمت علاقے کے قاضی یا حاکم کے پاس جمع کرائیں عموماً قیمت کا دسواں حصہ سرکاری خزانے میں جمع کر دیا جاتا تھا وہاں انسانوں کی نہ صرف خرید وفروخت ہوتی بلکہ جو اور گندم سے بھی ان کا تبادلہ کیا جاتا تھا ہزارہ جات

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۴۱-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸

[2] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۵۳-۸۶۷-۸۶۸

[3] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۵۵

کے حالات انتہائی خوفناک اور خونی ہوچکے تھے[1] لہذا وہاں کے عوام نے بھوک افلاس اور ظلم سے تنگ آکر عبدالرحمان کو ایک مراسلہ روانہ کیا جس میں ایک افغان افسر فتح محمد خان کے مظالم کا ذکر کیا گیا تھا مراسلے میں کہا گیا تھا کہ جاہل افغان آفیسر اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور وہ یہاں کے عوام پر بے پناہ ظلم وستم کرتے ہیں اسی لئے یہاں کے عوام نے مجبور ہوکر ہتھیار اٹھا لئے تاکہ ان مظالم اور ناانصافیوں سے چھٹکارا حاصل کر سکیں حکومتی کارندے یہاں موت کے بیج بوتے ہیں ایک طرف عوام پر فقر وبد بختی کے سائے منڈلا رہے ہیں تو دوسری طرف پھانسیوں اور قتل عام کا سلسلہ جاری ہے ان کے علاوہ عوام پر سنگین جرمانے اور مالیات بھی عائد کئے گئے ہیں اب ہزارہ قوم کی نابودی کا یہ سلسلہ بند ہوجانا چاہیئے[2]۔ لیکن اس طرح کے مراسلوں کا کوئی فائدہ نہیں ہوا

۱۲ رجب ۱۳۱۰ ہجری (جنوری ۱۸۹۳ء) کو ہزارہ جات کے تمام حاکموں کو فرمان جاری کردیا گیا کہ ہزارہ جات کے تمام امراء خوانین۔ بیگ۔ سید۔ کربلائی۔ زوار اور ان کے تمام اہل خانہ کے ناموں کی فہرست بنائی جائے اور اس بات سے قطع نظر کہ انہوں نے شورش میں حصہ لیا تھا یا نہیں انہیں گرفتار کرکے فوراً کابل روانہ کیا جائے[3] ہزارہ جات میں متعین حکام نے بڑی عجلت میں فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے ہزارہ جات کے تمام علاقوں سے سینکڑوں کی تعداد میں لوگوں کو گرفتار کرکے دست بستہ کابل روانہ کیا

عبدالرحمان کی جابرانہ سیاست کے رد عمل کے طور پر خزاں ۱۸۹۲ء میں ہزارہ جات میں ایک بار پھر بغاوت ہوئی لیکن اس بغاوت کا حقیقی آغاز ۱۸۹۳ء کے اوائل میں ہوا اس کی ابتدا دی زنگی۔ دی کنڈی اور بہسود سے ہوئی لیکن دیکھتے ہی دیکھتے ہزارہ جات کے دیگر علاقوں میں بھی پھیل گئی اور بالآخر کابل سے

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۶۳ اور امیر اور میری ذمہ داریاں صفحہ ۲۱۰۔۲۱۳

[2] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۵۵

[3] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۶۲

دولت یار۔ بامیان سے غور اور اجرستان سے مزار شریف تک کے تمام علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہزارہ قوم کی اس جدید شورش کے محرکات اور مقاصد کا اندازہ اس کھلے خط سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جسے ہزارہ راہنماؤں نے کابل میں زما مداران حکومت کو ارسال کیا تھا مذکورہ خط کا مکمل متن سراج التواریخ میں درج ہے خط میں کہا گیا تھا کہ حکومتی کارندے چاہے وہ فوجی ہوں یا غیر فوجی اور جنہیں کابل سے ہزارہ جات بھیجا گیا ہے وہ قتل و غارت۔ چوری چکاری۔ عورتوں کی بے حرمتی اور انہیں کنیز بنانے اور ہزارہ قوم پر کفر کا الزام لگانے کو قانونی اقدامات سے تعبیر کرتے ہیں خط میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ جب عبدالرحمان خان نے آزاد ہزارہ جات کی تسخیر کی خاطر عبدالقدوس خان کی سربراہی میں فوج روانہ کی تو دی زنگی۔ دی کنڈی۔ بہسود اور غزنی کے عوام نے حکومت سے تعاون کرتے ہوئے اس بات کی کوشش کی کہ حکومت کو ہزارہ جات کی تسخیر میں زیادہ مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑے ہم نے عبدالرحمان کے احکامات کی تعمیل کی لہذا حکومت کے اعلانات کو سن کر اور یہ دیکھتے ہوئے کہ ہزارہ جات کے عوام اپنے امراء کے ہاتھوں انتہائی تکالیف اور ہزیمت اٹھا رہے ہیں لوگوں نے عبدالقدوس کے خلاف مزاحمت نہیں کی اور ہزارہ جات پر کسی دشواری کے بغیر قبضہ کر لیا گیا جس کے بعد آزاد ہزارہ جات کے امراء نے نہ صرف اپنے ہتھیار پھینک دیے بلکہ اپنے ہی ہاتھوں اپنے فوجی قلعے اور ٹھکانے بھی مسمار کر دیے کیونکہ ہمارا عقیدہ تھا کہ خدا اور رسول کا فرمان ہے کہ اپنے بادشاہ کی اطاعت کرو لیکن جب مذکورہ علاقوں کے علاوہ ہزارہ جات کے دیگر تمام علاقوں میں بھی حکومت کی مسلح افواج نے ڈیرہ ڈال دیا تو وہاں ظلم اور ناانصافی کا ایک لا متناہی سلسلہ شروع کیا گیا حکومتی فرامین میں ہزارہ عورتوں اور بچوں کی خرید و فروخت کو ممنوع قرار دینے کے باوجود ہزارہ عوام کو غلام بنایا جا رہا ہے اور ان کی خرید و فروخت ہو رہی ہے لہذا ان مظالم اور ناانصافیوں کو دیکھتے ہوئے ہم دوبارہ ہتھیار اٹھا رہے ہیں۔ غیر شیعہ ملا اس بات سے قطع نظر کہ

کن ہزارہ قبائل نے امیر کے خلاف بغاوت کی تھی اور کون سے قبائل آج بھی امیر کے وفادار ہیں سب کو کافر لادین اور لامذہب قرار دے رہے ہیں
اس کے علاوہ یہ ملا ہر جگہ ہزارہ قوم کے خلاف جہاد مقدس کی بھی تبلیغ کر رہے ہیں خط میں مزید کہا گیا تھا کہ جب کابل حکام نے تمام سید کربلائی زوار اور دیگر محترم افراد کو گرفتار کرنے کا حکم دیا تو یہ اقدام ان کے قتل کے مترادف تھا جنہیں کابل طلب کیا جاتا وہ جانے سے پہلے اپنے تمام گھر والوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیتا اور اپنے مال و متاع اور گھر کو آگ لگانے کے بعد کابل روانہ ہوتا جہاں وہ اپنی گردن جلاد کی تلوار کے آگے خم کر دیتا لہذا اب موت سے بچنے اور غلامی کی زندگی سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہزارہ قوم کے پاس مسلح جدوجہد کے علاوہ کوئی چارہ نہیں[1] مذکورہ خط اس لئے بھی زیادہ قابل توجہ ہے کہ ہزارہ عوام جس طرح کہ خط کے متن سے ظاہر ہے مصائب و مشکلات اور مظالم سہنے کے باوجود امیر کابل کی فرمانبرداری پر تیار نظر نہیں آتے بلکہ وہ مصمم ارادے اور جوش کے ساتھ آخری دم تک جنگ پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ کوئی شرط کوئی مصلحت ان کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی اور وہ اپنی آزادی اور استقلال کی خاطر کسی صورت بھی جنگ سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہیں بلکہ امیر کابل کے تسلط سے آزادی ہی ان کی منزل ہے۔ خط کے مضمون کی طرح علاقے کے حکام کو بھی دندان شکن جواب دیا گیا اس کے علاوہ ان حکومتی کارندوں سے بھی یہی رویہ اختیار کیا گیا جو ان کی اس جدوجہد کو کچلنے کی فکر میں تھے مثلاً انہوں نے حاکم داد محمد خان کو کہلوا بھیجا کہ جب تک ہمارے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی موجود ہے ہم لڑتے رہیں گے اور ہتھیار نہیں پھینکیں[2] گے اس جدید تحریک بغاوت کی قیادت اس مرتبہ دی زنگی۔ دی کنڈی اور بہسود کے میروں نے سنبھالی ان میں میر بہسود میر غلام حسین پیش پیش تھا جس نے پہلے بھی

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۹۱
[2] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۷۶۔۸۷۸

حکومت کے خلاف لڑائیوں میں حصہ لیا تھا اس مرتبہ بعض ایسے میر بھی باغیوں سے آملے جنہوں نے اس سے پہلے کسی تحریک (خصوصاً ۱۸۹۲ کی تحریک) میں حصہ نہیں لیا تھا مثلاً میر محمد حسین بیگ۔ یوسف بیگ۔ ناصر بیگ اور ابراہیم بیگ وغیرہ۔ انہیں پہلے مرحلے میں حکومتی افواج کی طرف سے کسی خاص مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا کیونکہ حکام کو کسی مسلح یا شدید بغاوت پر یقین نہیں تھا چنانچہ ہزارہ عوام ہزارہ جات کے وسیع رقبے کو آزاد کرنے اور وہاں اپنی پوزیشن مستحکم کرنے میں کامیاب ہوگئے انہوں نے اس بار بھی یہی کوشش کی کہ وہ پہلے مرحلے میں علاقے میں موجود اسلحے اور خوراک کے ذخائر پر قبضہ کر لیں جس میں وہ کامیاب بھی ہوگئے انہوں نے ان تمام حکومتی کارندوں کو بھی قید کر دیا جو وہاں سے گرفتار کر لئے گئے تھے ان کی سرکوبی کے لئے بامیان سے ایک پیدل فوج جو توپخانے سے مزین تھی بھیجی گئی جسے پانچ ہزار مسلح افراد پر مشتمل ایک گروہ نے ایک پہاڑی درے (بابر) پر روک لیا اور انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا اکثر حکومتی کارندے اور حکام اپنا کام چھوڑ کر کابل بھاگ گئے جبکہ بعض ان قلعوں کے اندر محبوس ہو کر رہ گئے جن کو باغیوں نے محاصرے میں لے رکھا تھا جلد ہی بارلاس اور گیزاب کے علاوہ اجرستان کے بعض قبائل بھی دی زنگی۔ دی کنڈی اور بہسود کے باغیوں سے آملے اس طرح اورزگان کے عوام نے بھی ان کا ساتھ دیتے ہوئے علاقے میں متعین کابل فوج پر حملے کر کے تقریباً چودہ سو فوجیوں کو ہلاک کر ڈالا اس کے علاوہ گندم کے وسیع ذخائر اور بھیڑ بکریوں کی بڑی تعداد بھی ان کے ہاتھ آئی۔ کابل حکومت کے نمائندوں اور کارندوں کو نکال باہر کرنے کے بعد ان افغان فوجیوں کو مکمل طور پر نابود کر دیا گیا جو ہزارہ جات میں مقیم تھے جس کے بعد انہوں نے ان متوقع منظم افواج کے مقابلے کی تیاریاں شروع کر دیں جو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجی جانے والی تھیں اس کے لئے انہوں نے ان تمام راستوں پر مضبوط خندقیں کھودنی شروع کر دیں سرقول۔ فیروز بہار۔ تنگ یاق اور دیگر پہاڑوں پر مورچے

سنبھال لئے اور گنجان آبادی والے علاقوں میں اپنی پوزیشن مضبوط کر لی انہوں نے کابل ۔ جنوبی ترکستان ۔ بامیان اور قندھار کو ملانے والی تمام راہوں پر خندقیں تعمیر کیں اور کابل فوجوں کا انتظار کرنے لگے لیکن انکی قوت حسب سابق عدم یگانگت اور نااتفاقی کی وجہ سے کمزور پڑ گئی اور ۱۸۸۰ اور ۱۸۹۲ کی طرح اس مرتبہ بھی ان کے میر اور راہنماؤں میں اختلاف پیدا ہو گئے ایسے میں بعض اہم اور طاقتور امراء نے امیر کابل کی دوستی کو ترجیح دی اور انہوں نے باغیوں کا ساتھ دینے کے بجائے امیر عبدالرحمان کے درباریوں سے تعلقات استوار کر لئے وہ ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتے رہے کہ شورش کی آگ کو کسی طرح خاموش کر دیں تاکہ اس طرح وہ حکومت سے جانی تحفظ اور مالی آسائش حاصل کر سکیں۔ یاد رہے کہ بعض ایسے دیگر امراء بھی ان کی تحریک کے مخالف تھے جو کثیر مال و زر لاتعداد مویشیوں اور سینکڑوں کی تعداد میں ملازمین اور مسلح افراد کے مالک تھے ۔ ان کو ہزارہ جات کی معاشرتی زندگی میں بہت اہمیت حاصل تھی اور ان کا بہت احترام کیا جاتا تھا ان امراء کا خیال تھا کہ شورش ان کے لئے سراسر نقصان کا باعث بن سکتی ہے مثلاً میر اولقان محمد رضا بیگ اس بات پر بالکل آمادہ نہیں تھا کہ غاف میں موجود افغان فوجوں کی سرکوبی کے لئے ہزارہ باغیوں کا ساتھ دے بلکہ اس کے برعکس اس نے ان افغان فوجیوں کی مدد کی اور ہزارہ باغیوں کے خلاف سرگرمی دکھائی اس طرح شادی قبیلے کے طاقتور میر ایام بیگ نے بھی اس جنگ میں باغیوں کے خلاف حکومت کا بھرپور ساتھ دیا چنانچہ باغی راہنماؤں نے دریائے ھلمند کو عبور کرنے کی کوششوں میں مصروف حکومتی فوج کے علاوہ ایام بیگ کے مقابلے میں بھی اپنی فوج کا ایک بڑا حصہ روانہ کیا شورش کے آغاز ہی میں بہسود کے چند امراء نے بڑی عجلت میں امیر کابل کی اطاعت اور فرمانبرداری کا اعلان کر دیا تھا انہوں نے نہ صرف بھاگ جانے والے حکومتی ملازمین اور افواج کو اپنی زمینوں پر پناہ دی بلکہ ہزارہ قوم کی شورش کو کچلنے کی خاطر حکومت کی بھی بھرپور مدد کی

دستیاب ذرائع کی مدد سے ہزارہ جات کے امیر اور دیگر حاکم طبقات کی سرگرمیوں کے بارے میں علیحدہ علیحدہ بحث کرنا ممکن نہیں اور نہ ہی ایسی تفصیلات حاصل کی جا سکتی ہیں جن سے پتہ چلے کہ وہ کن طریقوں سے امیر کابل سے تعاون کرتے تھے لیکن جان کے خوف اور حکومت کے بے انتہا مظالم کے علاوہ اور بھی کئی ایسے عوامل تھے جن کی بناء پر انہوں نے جداگانہ موقف اختیار کیا اور باغیوں کی مدد نہیں کی چنانچہ ہزارہ قوم کی اس تحریک کو بھی آغاز ہی سے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ عبدالرحمان نے شورش زدہ علاقوں کے مکمل محاصرے کی خاطر بعض خصوصی اقدامات کئے تاکہ ہزارہ جات کے دیگر علاقوں کے عوام ان کی مدد نہ کرنے پائیں اس نے چار اہم راستوں کی خصوصی طور پر ناکہ بندی کر دی جس کے بعد باقاعدہ اور امدادی افواج دوبارہ علاقے میں وارد ہوئیں ہرات سے بھی تازہ دم فوج طلب کر کے علاقے میں بھیج دی گئی جس کی کمان چند جرنیلوں اور بریگیڈیروں (محمد عمر خان۔ میر عطا خان۔ محمد صادق وغیرہ) کے ہاتھوں میں تھی یہ فوج تقریباً پینتیس ہزار افراد پر مشتمل تھی اس کے علاوہ دس ہزار مسلح فوجیوں پر مشتمل ایک فوج کو ہزارہ جات کے ان علاقوں کی طرف روانہ کیا گیا جہاں کے لوگوں نے ابھی تک شورش میں حصہ نہیں لیا تھا اس فوج کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ پہاڑوں میں پناہ لینے والے ہزارہ باغیوں کے خلاف سرگرم عمل کابل فوجوں کی معاونت کریں اسی دوران عبدالرحمان نے ہزارہ باغیوں کے نام ایک خط بھی ارسال کیا جسکا عنوان تھا ہزارہ قوم کے نام چند گذارشات[1] اس خط کا مقصد دراصل ہزارہ راہنماؤں کے درمیان اختلاف پیدا کرنا تھا اس کے علاوہ اس خط کے ذریعے اس بات کی بھی کوشش کی گئی کہ کمزور گروہوں کو ہتھیار پھینکنے پر آمادہ کیا جائے اس خط کو ایک ایک فرد تک پہنچانے کے لئے عبدالرحمان نے اپنے خاص جاسوسوں سے کام لیا جو اپنی خدمات کے عوض حکومت سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتے تھے لیکن اس

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۹۱

کے باوجود چند باغی راہنماؤں کے ہتھیار ڈالنے اور پسپائی اختیار کرنے کے علاوہ شورش پر اور کوئی خاص اثر نہیں پڑا

اپریل ۱۸۹۳ میں حکومتی افواج نے اپنی مسلح کاروائی کا آغاز کر دیا فوج میں شامل توپخانوں کی وجہ سے حکومت کے لئے بہت سی آسانیاں پیدا ہو گئیں چنانچہ انہی توپوں کے بل بوتے پر ہزارہ باغیوں کی شدید مزاحمت کے باوجود وہ ان علاقوں سے گزرنے میں کامیاب ہو گئے[1] ہزارہ باغیوں اور کابل فوج کے درمیان ایک شدید لڑائی دریائے ھیلمند کے کنارے واقع فوتانی کے مقام پر ہوئی کابل فوج جس کی کمان محمد عمر خان کے ہاتھ میں تھی شدید مشکلات میں گر گئی انہیں اتنے شدید نقصانات اٹھانے پڑے کہ انہوں نے اپنی پیش قدمی روک دی اور کابل سے مزید کمک طلب کر لی ہزارہ قوم کو ۱۸۹۳ کے بہار اور گرمی کے موسموں میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اگرچہ آج جتنے بھی تاریخی ذرائع دستیاب ہیں وہ ہزارہ قوم کے دشمنوں کے تحریر کردہ ہیں لیکن وہ بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ہزارہ قوم نے کابل فوج کا جس مردانگی اور شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا اس کی نظیر نہیں ملتی ایسے بھی تاریخی ذرائع موجود ہیں جو اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ کابل فوج کے سربراہ ہر روز سینکڑوں ہزارہ باغیوں کے سر کاٹ کر میدان جنگ سے بامیان اور دیگر شہروں کو روانہ کرتے جس سے ہزارہ قوم کی شدید مزاحمت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے[2] ان جنگوں کے دوران حکومت کی امدادی افواج کو زیادہ نقصان اٹھانا پڑا اور باقاعدہ فوج کی نسبت ان کے زیادہ آدمی جنگوں میں کام آئے مثلاً ہراتی فوج کے تقریباً ۸۵ فی صد حصے کا مکمل خاتمہ ہو گیا ہزارہ باغیوں کی شدید مزاحمت کو دیکھتے ہوئے عبدالرحمان مزید سخت فوجی اقدامات کرنے پر مجبور ہوا اس نے سپہ سالار غلام حیدر خان کو ایک تازہ دم فوج دیگر ہزارہ جات روانہ کیا جس کے فوراً بعد ایک اور تازہ دم فوج بھی

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۹۳

[2] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۹۸

اس کے پیچھے روانہ کر دی گئی[1] یہاں اس بات کا تذکرہ بہت ضروری ہے کہ ہزارہ عوام نہ صرف کابل حکومت کے خلاف بر سرپیکار تھے بلکہ ان کی زد میں وہ ہزارہ میر اور جاگیر دار بھی آتے جو کابل حکومت کے دوست اور وفادار تھے وہ اپنے ان امراء کے گھروں پر حملہ کر کے انہیں قتل اور ان کے گھروں کو مسمار کر دیتے تھے مثلاً وسطی علاقے کے میر سلطان شاہ کو اس کے اپنے آدمیوں نے ہلاک کر دیا کیونکہ ۱۸۹۲ کی شورش میں اس نے کابل حکومت کا ساتھ دیا تھا اس طرح ۱۸۹۳ کی شورش کے دوران بہسود میں چوپان قبیلے کے سربراہ ارباب محمد حسین خان کو بھی اس جرم میں قتل اور اس کے قلعے کو ویران کر دیا گیا اکثر علاقوں میں عوام نے جاگیر داروں کی زمینوں پر بھی قبضہ کر لیا[2] باغیوں کے یہ اقدامات بڑی اہمیت کے حامل ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ہزارہ عوام کی ۱۸۹۳ کی یہ شورش نہ صرف کابل حکومت وافغان جاگیر داروں اور خوانین کے خلاف تھی بلکہ خود ہزارہ جاگیر داروں کے بھی خلاف تھی اس طرح ان کی تحریک میں جاگیر دار دشمنی کا عنصر بھی داخل ہو گیا تھا اب صرف انتہائی طاقتور میر اور خوانین ہی کابل حکومت اور علاقے کے حکام سے دوستی کے متحمل ہو سکتے تھے اور اس کی وجہ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے یہ تھی کہ وہ افغان حکومت میں اہم مقام اور منصب حاصل کرنا چاہتے تھے چنانچہ اب ہزارہ امراء جاگیر دار اور حاکم طبقے کے دیگر افراد بھی باغیوں کا نشانہ بننے لگے اس شورش کے دوران بھی ہزارہ امراء اختلاف سے دور نہ رہ سکے ایک طرف گنتی کے ایسے امراء تھے جن کے پاس زیادہ طاقت اور دولت تھی تو دوسری طرف کم طاقت اور دولت والے میر تھے ایک طرف اگر غریب عوام میں اختلافات تھے تو دوسری طرف دولت مند جاگیر دار بھی مختلف تضادات کے شکار تھے لیکن باخبر ذرائع دستیاب نہ ہونے کی

---

[1] سراج التواریخ کے مطابق جب عبدالرحمان نے یہ دیکھا کہ اس کی افواج اور ان کے قائدین مسلسل ناکام ہو رہے ہیں تو اس نے فیصلہ کیا کہ فوجوں کی قیادت وہ خود کرے گا لیکن بعد میں اس نے اپنے ایک بیٹے (غالباً حبیب اللہ خان) کے کہنے پر اپنا فیصلہ واپس لے لیا

[2] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۹۵۶-۹۵۱ ۱۰۱۱-

وجہ سے ان کے اختلافات پر تفصیلاً بحث نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی حاکم طبقات کے اختلافات کا جائزہ لیا جا سکتا ہے شاید حاکم طبقہ عوام کی جدو جہد اور شورش کو خاموش کرنے کی خاطر کابل حکومت سے تعاون پر مجبور تھے۔ غلام حیدر خان کی سربراہی میں فوج کے ہزارہ جات پہنچنے کے بعد وہاں پہلے سے موجود افغان فوجی دستوں نے کئی کامیابیاں حاصل کیں ان کامیابیوں کے حصول میں جہاں کابل فوجوں کی زیادہ تعداد کو دخل حاصل تھا وہاں ہزارہ عوام کے درمیان وبائی امراض کے پھیلاؤ اور خوراک اور جنگی سازو سامان کی کمی نے بھی اہم رول ادا کیا کیونکہ بھوک اور افلاس کی شدت اور بیماریوں کی وجہ سے بہت سے لوگ موت کا شکار ہو گئے[1] ان حالات میں بھی عبدالرحمان کو یہ فکر لاحق تھی کہ کسی طرح ان کی شورش کو کچل دیا جائے لہذا اس نے چند شیعہ ملاؤں کو جو سید تھے اور ہزارہ عوام میں بہت محترم اور محبوب شخصیات کے مالک تھے اپنے خاص نمائندوں کی حیثیت سے باغیوں کے نام ایک خط دے کر ہزارہ جات روانہ کیا اس خط میں امیر نے ہزارہ قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ مجھ پر آپ کے جو حقوق ہیں میں ان سے بخوبی واقف ہوں آپ کی اس جدوجہد سے میری فوج کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم لوگوں پر مقرر کئے گئے مالیات کی مقدار میں کمی کرونگا اور تم پر ایسے حکمران مقرر کرونگا جس کا انتخاب تم خود کرو گے یاد رکھو کہ تم اپنے ہر کام کے لئے خدا کے سامنے جواب دہ ہو کیونکہ دونوں طرف سے مسلمان مارے جا رہے ہیں

ہمیں یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ ہمارا عقیدہ ایک ہے (یعنی ہم سب مسلمان ہیں) جبکہ ہم چاروں طرف سے ایسے لوگوں میں گھرے ہوئے ہیں جو ہمارے ہم عقیدہ ہرگز نہیں[2] عبدالرحمان کے اس خط کو تمام ہزارہ امراء اور دیگر راہنماؤں نے باری باری پڑھا اور پھر سب نے متفقہ طور پر امیر کی پیش کش کو مسترد کر دیا کیونکہ ان کے خیال میں امیر کی باتوں کا کسی طور بھی اعتبار

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۷۷۲

[2] روس کی خارجی سیاست (آرکائیو) ۱۸۹۳

نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ اس سے قبل امیر نے کبھی بھی اپنے وعدوں پر عمل نہیں کیا تھا لہذا جدوجہد کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا گیا انہوں نے کابل فوجی ٹھکانوں پر بارہا شب خون مارا اور ایسی ہی ایک رات وہ غلام حیدر خان کے ذاتی ٹھکانے تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے تین گھنٹے تک وہاں لڑائی ہوتی رہی لیکن صبح جب توپخانے کی گولہ باری نے شدت اختیار کر لی تو حملہ آور پسپا ہونے پر مجبور ہوئے

۱۸۹۲ کے موسم گرما میں جب گرمی اپنے انتہا کو پہنچ گئی تو شدید جانی نقصانات اٹھانے اور ہزارہ قوم کی شدید مزاحمت کو دیکھتے ہوئے عبدالرحمان ہزارہ جات سے اپنی فوجیں نکالنے اور وہاں اپنی فوجی سرگرمیوں کو ختم کرنے پر مجبور ہوا جس کے بعد اس نے ہزارہ جات سے متعلق ایک خاص فرمان جاری کیا جس میں افغانستان کے اندر رہتے ہوئے ہزارہ جات کی داخلی اختیارات اور خصوصیات کی بحالی کا اعلان کیا گیا عبدالرحمان کے مذکورہ اقدامات کے پس پشت دیگر عوامل بھی کارفرما تھے مثلاً افغانستان کی اس غیر یقینی صورت حال کو دیکھتے ہوئے انگریزوں نے افغانستان کے جنوبی اور جنوب مشرقی علاقوں میں اپنی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا تھا ان کی کوشش تھی کہ مشرقی افغانستان کے خانہ بدوشوں کی سرزمین پر کسی طرح قبضہ کرلیں۔ دوسری طرف باغیوں کے لئے بھی بھوک افلاس، بیماری اور شدید جانی نقصانات اٹھانے کے بعد مزید لڑائی جاری رکھنا مشکل ہوگیا تھا ان میں سے بعض نے تو لڑائی سے ہاتھ روکنے اور سیستان ایران یا بخارا کی طرف کوچ کرنے کا فیصلہ بھی کرلیا تھا[1] مذکورہ حالات کے پیش نظر بعض ہزارہ راہنماؤں نے امیر کابل سے باقاعدہ مذاکرات کرنے کا فیصلہ کیا اس سلسلے میں انہوں نے اپنے کچھ نمائندے کابل بھیجے لیکن ان کے تحفظ کو یقینی بنانے کی خاطر انہوں نے بعض افغان گھرانوں کے سربراہوں کو اپنے پاس یرغمال بنا کر رکھا انہوں نے فیصلہ کیا کہ مذاکرات میں ناکامی کی

---

[1] ۱۹ ویں صدی میں انگریزوں کے خلاف افغانستان کی جدوجہد صفحہ ۴۰۸-۴۰۷

صورت میں ملک سے نکل جائیں گے اور ایران کی طرف ہجرت کریں گے کیونکہ
ن کے مختلف گروہوں کے درمیان شدید اختلافات بھی پیدا ہو گئے تھے لیکن
میر کابل کے ساتھ ان کے مذاکرات کامیابی سے ہمکنار ہونے اور ہزارہ امراء
نے امیر کابل کی شرائط کو تسلیم کرکے اس کی حمائت کا اعلان کر دیا اس طرح ان
ی یہ جدوجہد بھی اپنے اختتام کو پہنچی جس کے بعد وہ تین گروہوں میں تقسیم ہو
گئے پہلے گروہ میں وہ افراد شامل تھے جن کے راہنماؤں نے کابل حکومت کی
شرائط تسلیم کر لیں یہ گروہ سات سے دس ہزار گھرانوں پر مشتمل تھا۔ دوسرا
روہ ان افراد کا تھا جنہیں نہ تو امیر کابل کے وعدوں کا اعتبار تھا اور نہ ہی ان میں
زید لڑنے کی سکت تھی چنانچہ انہوں نے افغانستان سے ہجرت کرنے کا فیصلہ کر
یا اور برطانیہ (حالیہ پاکستان اور شاید عراق بھی) کی طرف ہجرت کر گئے اس گروہ
میں دس تا پندرہ ہزار گھرانے شامل تھے تیسرا گروہ ان باقی ماندہ افراد پر
مشتمل تھا جن کا عزم تھا کہ آخری سانس تک کابل حکوم کے خلاف لڑتے رہیں
گے لیکن باغیوں کے مختلف گروہوں کے درمیان چونکہ اختلاف کی وسیع خلیج
ائل ہو گئی تھی اس لئے ان کی تحریک میں وہ جان نہیں رہی اور اس کے باوجود
، نومبر ۱۸۹۳ تک ان کی جدوجہد جاری رہی اور اس دوران حکومتی افواج کو شدید
انی و مالی نقصانات کا سامنا بھی کرنا پڑا ان کی جدوجہد کے مستقبل کا فیصلہ ہو
کا تھا ۱۸۹۳ کے اواخر میں ان کے آخری گروہ کا بھی خاتمہ کر دیا گیا یا پھر
نہوں نے ہتھیار پھینک دیے اس طرح اس مسلح جدوجہد کی آگ کو بھی
موش کر دیا گیا

اس میں کوئی شک نہیں کہ عبدالرحمان کی حکومت کے خاتمے کی خاطر
لائی جانے والی ہزارہ قوم کی یہ تحریک مکمل قومی اور اجتماعی بنیادوں پر استوار
ی ۱۹ ویں صدی کی آٹھویں دہائی کی جدوجہد کا آغاز دراصل جاگیردارانہ سوچ
ھنے والے امراء نے کیا تھا اگرچہ ان تحریکوں میں عوام اور قبائلی گروہوں کی
ثریت نے حصہ لیا تھا لیکن اس کا اصل مقصد امراء اور جاگیرداروں کے غصب

شدہ حقوق کا حصول تھا حکومتی کارندوں اور ملازمین کے بے انتہا جورو ستم کی وجہ سے اگرچہ غریب عوام کی اکثریت نے امراء کے شانہ بشانہ ان لڑائیوں میں حصہ لیا تھا لیکن جدوجہد کی کمان پھر بھی امراء کے ہاتھ میں تھی اس کے برعکس ۹۳ - ۱۸۹۲ کی تحریکوں میں عوامی رنگ غالب تھا اس میں جاگیر دار دشمن رجحانات بھی تھے کیونکہ ہزارہ جات میں افغانوں کے ظلم اورناانصافی کی وجہ سے اگرایک طرف وہاں کے امراء شدید متاثر ہوئے تھے تو دوسری طرف رعایا کی اکثریت بھی ان سے متنفر ہوگئی تھی اسکے علاوہ وہ چاروں طرف سے بھوک۔ افلاس - بیماری - موت - غلامی اور محرومی میں بھی مبتلا تھے چنانچہ ان کی یہ تحریک مکمل قومی اور عوامی بنیادوں پر استوار تھی لیکن اس کے باوجود شورش میں حصہ لینے والے ہر فرد کا مقصد ایک نہیں تھا جاگیر دار طبقے کی خواہش تھی کہ وہ پہلے کی طرح طاقت اور معاشرتی حیثیت حاصل کر سکیں جبکہ رعایا کی اکثریت دونوں طرف کے ظلم و ستم سے تنگ آچکی تھی لہذا وہ افغان حکومت اور ہزارہ جاگیرداروں کے مظالم سے نجات حاصل کرنے کے لئے مسلح جدوجہد کو ہی آخری اور واحد راستہ تصور کرتے تھے اور انہی اختلافات نے انکی جدوجہد اور کامیابیوں کی راہ میں بڑی رکاوٹیں کھڑی کیں

۱۸۹۲-۹۳ کی شکست کے اسباب

میری نظر میں ہزارہ قوم کی مسلح جدو جہد اور شورش کی ناکامی کے مندرجہ ذیل اسباب تھے

ہزارہ جات کی سیاسی گروہ بندیاں وہاں کی سیاسی وحدت اور یگانگت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھیں کیونکہ لوگوں کی اکثریت کا ایک دوسرے سے تعلق اور رابطہ ان کے امراء کی مرضی سے ہوتا تھا چنانچہ ان حالات میں داخلی جنگوں کا ہونا لازمی امر تھا لہذا سیاسی ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ ہزارہ قوم میں وحدت اور یگانگت کی فضا قائم نہ ہو سکی بلکہ عوام اور جاگیرداروں میں موجود اختلافات سے فائدہ اٹھا کر ہی کابل حکومت ان کی جدو جہد کو ناکام بنانے اور ان کی شورش کو کچلنے میں کامیاب ہوئی اس کے علاوہ جدو جہد کے دوران عوام کے درمیان اتحاد اور ہم آہنگی کے فقدان۔ ان کے راہنماؤں کے درمیان موجود اختلافات اور ان کے مختلف گروہوں کے درمیان بہتر روابط کی عدم موجودگی نے بھی ان کی شکست میں اہم کردار ادا کیا کیونکہ عام طور پر ہر قبیلہ صرف اپنی محدود ذمہ داریوں سے عہدہ براں ہونے کی کوشش کرتا اور اجتماعی سرگرمیوں پر بہت کم توجہ دیتا اس طرح ان کے مختلف گروہوں کی تشکیل بھی جاگیردار ہی کرتے جو جنگوں اور حملوں کے دوران اپنے مفادات کو زیادہ ترجیح دیتے اور محض اپنے مفادات کے حصول کی ہی کوشش کرتے جاگیردار ہزارہ جات کے اجتماعی مفادات کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے لہذا موقع ملتے ہی وہ جنگ سے کنارہ کش ہوتے اور حکومت سے مل جاتے ان میں سے بعض تو ہزارہ قوم کے خلاف سرگرمی بھی دکھاتے امراء ایسا صرف اپنی طاقت اور دولت میں اضافے اور برتری کو قائم رکھنے کی خاطر کرتے۔ ہزارہ قوم کی شکست کی ایک اور وجہ غیر متوازن عسکری طاقت تھی حکومتی افواج ان کی نسبت زیادہ اسلحے اور افرادی قوت سے لیس تھیں اس کے علاوہ ان کو جنگی فنون میں

بھی ہزارہ قوم پر برتری حاصل تھی ہزارہ عوام بعض اوقات جو حکمت عملی اختیار کرتے اس کا منفی نتیجہ برآمد ہوتا کیونکہ ہر میر کی یہی کوشش ہوتی کہ وہ صرف اپنے ہی علاقے کا دفاع کرے انہیں عموماً اس بات کی کوئی پرواہ نہ ہوتی کہ ہمسائے کی سرزمین پر کیا ہو رہا ہے۔ اگرچہ تحریک کے آغاز میں ہزارہ قوم کو کئی کامیابیاں حاصل ہوئیں لیکن وہ نہ توان سے مکمل فائدہ اٹھا سکے اور نہ ہی انہیں جاری رکھ سکے چنانچہ جب ہزارہ جات سیاسی طور پر کافی کمزور ہوا تو کابل حکومت نے اطمینان کے ساتھ کثیر فوج جمع کی اور ان پر حملہ کر کے ان کی جد و جہد کو کچلنے میں کامیابی حاصل کی

۹۳-۱۸۹۲ کی شورش کی ناکامی کے بعد کابل حکومت کی سیاست

۲۲ صفر ۱۳۱۱ ہجری (۱۸۹۳) کو عبدالرحمان نے ایک مرتبہ پھر ہزارہ جات کے تمام بزرگوں اور امراء کو خواہ اس نے بغاوت میں حصہ لیا ہو یا نہیں گرفتار کر کے کابل روانہ کرنے کا فرمان جاری کیا اور حکم دیا کہ تمام امراء - سید - خان - کربلائی اور زوار اور ان کے اہل خاندان کو گرفتار کر کے کابل روانہ کیا جائے[1] عبدالرحمان کا حکم ملتے ہی ہزارہ جات میں متعین افغان فوجی افسروں نے اس پر عملدرآمد شروع کر دیا تمام امراء اور دیگر بزرگوں اور ان کے اہل وعیال کو (جن میں ہلاک ہونے والے اور ہجرت کرنے والے امراء کے اہل خانہ بھی شامل تھے) نیزوں کی انی اور کثیر فوجوں کی معیت میں کابل روانہ کر دیا گیا ان کی زمینوں اور املاک کو ضبط اور ان کے گھروں کو مسمار کر دیا گیا اس طرح ہرات کے قرب وجوار میں بھی رہائش پذیر دو سو گھرانوں پر مشتمل ان ہزارہ باشندوں کے بزرگوں کو بھی گرفتار کیا گیا جنہوں نے شورش میں حصہ نہیں لیا تھا علاوہ ازیں ان پر بھاری جرمانے بھی عائد کئے گئے[2] جبکہ روپوش ہونے والے ہزارہ امراء اور مذہبی راہنماؤں کی گرفتاری کی خاطر گل خان اور سلطان علی خان جاغوری کی سربراہی میں ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی بھی تشکیل دے کر ہزارہ جات روانہ کر دی گئی انہوں نے مارچ ۱۸۹۵ء تک صرف روپوش اشخاص کے بارے میں تفتیش اور ان کی گرفتاری کی خاطر کام کیا مذکورہ کمیٹی نے صرف جنوری فروری اور مارچ ۱۸۹۴ء کے مہینوں میں ۸۰۲ افراد کو گرفتار کر کے کابل روانہ کیا کابل بھیجے جانے والے ہزارہ امراء اور مذہبی راہنماؤں پر الزام لگایا گیا کہ وہ نہ صرف

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۹۳۴-۹۳۵

[2] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۲۸ - ۹۱۹-۹۲۶-۹۲۸-۹۳۱-۹۳۴-۹۳۵ وغیرہ اور مرکزی افغانستان میں تجارت اور خانہ بدوشی صفحہ ۱۲۶-۱۲۷

افغانوں بلکہ ہزارہ قوم کے دشمن ہیں کیونکہ وہ دو قوموں (افغانوں اور ہزارہ) کے درمیان تفرقہ ڈالنے کے مرتکب ہوئے ہیں لہذا ہزارہ جات میں ان کی موجودگی خطرے سے خالی نہیں کیونکہ جب وہ چاہیں ہزارہ قوم کو دوبارہ شورش پر آمادہ کر سکتے ہیں چنانچہ اگر ان کو کابل لایا جائے تو انکی طرف سے لاحق خطرے کو ٹالا جا سکتا ہے ان میں سے بہترین اشخاص کو مختلف عہدوں پر تعینات کیا جائے گا جبکہ باقی افراد کو سرحدی علاقوں میں منتقل کر دیا جائے گا تاکہ وہ وہاں کاشتکاری کر سکیں[1]

گرفتار شدگان کی اکثریت کو کابل ہی میں گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا جبکہ باقی افراد کو یا تو جیل میں ڈال دیا گیا یا پھر جلال آباد۔ بگرام اور کابل کے اطراف میں جلاوطن کر دیا گیا (ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی) تقریباً آٹھ ہزار عورتوں اور بچیوں کو کابل کے کارخانوں میں کام کی خاطر بھیجا گیا جبکہ ان میں سے بہت کم کو فروخت بھی کیا گیا اس کے علاوہ سینکڑوں عورتوں اور بچیوں کو کابل فوجیوں میں کنیزوں کی حیثیت سے تقسیم کر دیا گیا[2] ہزارہ قوم کو مکمل طور پر نہتا کرنے کی خاطر اسلحہ کی تلاش کا کام زور و شور سے شروع ہوا۔ ان سے ہر قسم کے سرد و آتشیں اسلحے کی تیاری اور انکے استعمال کا حق چھین لیا گیا اور اس عمل کو بالکل ممنوع قرار دے دیا گیا[3] بعد میں مذکورہ تمام امراء کی زمینوں کو بحق سرکار ضبط کرنے کا حکم جاری ہوا ساتھ ہی امیر کابل نے یہ بھی حکم صادر کیا کہ ہزارہ رعایا کی زیر کاشت زمینوں کو بالکل ہاتھ نہ لگایا جائے لیکن حکومتی کارندوں نے کبھی اس فرمان کی پرواہ نہیں کی اور بالآخر کسانوں کی زمینوں کا زیادہ حصہ بحق سرکار ضبط کر لیا گیا

۱۳۱۱ ہجری بمطابق ۱۷ اپریل ۱۸۹۴ کو ہزارہ جات کی تمام چراگاہوں اور سرسبز زمینوں کی بھی ضبطی کا حکم جاری ہوا حکمنامے میں کہا گیا تھا کہ آئندہ

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۹۳۴-۹۳۵
[2] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۹۳۴-۹۴۴-۱۰۱۱-۱۱۱۰
[3] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۹۸۷-۱۰۲۱-۱۰۳۲ اور ترمذ سے کابل اور تاشقند تک صفحہ ۳۴۴

کسی ہزارہ کو ان چراگاہوں اور میدانوں میں اپنے مویشی چرانے کی اجازت نہیں ہوگی[۱] اس کے ساتھ ہی وہاں کی تمام زیر کاشت زمینوں چراگاہوں اور وسیع و عریض میدانوں کو حکومت کی ملکیت قرار دینے کا اعلان کیا گیا زمینوں کی ضبطی کے دوران حکومتی اہلکار ہزارہ رعایا سے انتہائی ظلم و ستم کے ساتھ پیش آتے عورتوں اور بچیوں کو کابل اور اس کے اطراف کے بازاروں میں لے جاکر فروخت کر دیا گیا بعض کو تو افغان خانہ بدوشوں (کوچیوں) کے ہاتھوں بھی نیلام کیا گیا۔[۲] قندھار۔ قلات غلجائی۔ غزنی اور ہرات کے بردہ فروش ہزارہ جات آتے جاتے رہتے ہزارہ جات میں متعین حکومتی اہلکاروں کی اگر کبھی کابل میں شکائت بھی کی جاتی تو بازپرس کرنے والا کوئی نہ ہوتا اور نہ ہی کسی کو سزا دی جاتی سنگین حالات میں کابل حکومت کی جانب سے صرف ان فوجی افسروں کو تنبیہ کی جاتی اس کے علاوہ ان سے کوئی بازپرس نہ ہوتی[۳] ان باتوں سے علاقے کے حکام بھی واقف تھے وہ اس بات سے ڈرتے بھی تھے کہ کہیں مظالم اور ناانصافیوں سے تنگ آکر ہزارہ عوام دوبارہ بغاوت نہ کریں ۱۸۹۲-۹۳ کی تحریکوں کی ناکامی کے بعد ہزارہ جات میں جو صورت حال پیدا ہوئی اور حاکموں نے جس طرح ہزارہ قوم کی نابودی اور اجتماعی بربادی کے لئے اقدامات کئے ان سے ہزارہ جات کی معاشی زندگی حد درجہ خراب ہوگئی لہذا ہزارہ قوم کی وہاں سے اجتماعی مہاجرت کا سلسلہ شروع ہوا ان میں سے اکثر ایران۔ ہندوستان (حالیہ پاکستان) اور روسی بخارا کی طرف کوچ کر گئے ہزارہ قوم کی اس ہجرت کو روکنے کے لئے کابل حکومت نے جو کوششیں کیں ان کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوسکا اور ہزارہ قوم موت کے خوف سے بے نیاز گروہوں کی صورت میں دیگر ملکوں کی طرف ہجرت کرنے لگے۔[۴] ۱۸۹۷ کے دوران ہزارہ قوم کو روس میں پناہ لینے کی قانونی اجازت مل گئی جس کے بعد بڑی تعداد میں

۱؎ سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۸۵۵-۹۳۸-۹۸۶-۱۰۱۱-۱۰۷۱

۲؎ سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۹۳۷-۹۸۷

۳؎ سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۹۱۸-۹۱۹-۹۳۷-۹۷۰-۹۸۷-۹۸۸-۱۰۱۴۔

۴؎ سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۹۸۸-۹۸۹۔ کلیات ریاضی صفحہ ۲۵۸ اور افغانستان صفحہ ۱۴۸

ہزارہ رعایا نے روس کی سرزمین پر پناہ لے لی

تاریخی حقائق و شواہد کی رو سے ہزارہ قوم کی مذکورہ اجتماعی مہاجرت سے علاقے کی معاشی حالت انتہائی خراب ہونے کے علاوہ نہ صرف ہزارہ آبادی میں بہت کمی واقع ہوئی بلکہ ہزارہ تہذیب و ثقافت کو بھی نقصان پہنچا

ہزارہ جات ۹۳-۱۸۹۲ کی شورشوں کے بعد

۹۳-۱۸۹۲ کی شورشوں میں ناکامی کے بعد ہزارہ جات کے عوام کی داخلی خود مختاری مکمل طور پر سلب کر لی گئی تمام امور ان افراد کے سپرد کر دیے گئے جنہیں کابل سے ہزارہ جات بھیجا گیا تھا ان کا تعلق عموماً افغان جاگیردار طبقے سے ہوتا تھا اور انہیں ارباب یا رئیس کہا جاتا تھا ان کا انتخاب عموماً علاقے سے ہی کیا جاتا تھا وہ اپنی خدمات کے عوض حکومت سے تنخواہ وصول کرتے تھے ہزارہ جات کی ہر علاقائی وحدت میں کئی ارباب یا رئیس مقرر کئے گئے جن کا کام علاقے کے نظم و نسق کی دیکھ بھال کرنا تھا کابل حکومت کے مسلح اور طاقتور فوجی دستے ہزارہ جات کے کئی علاقوں میں تعینات کئے گئے فوجی اور جنگی نوعیت کے اہم علاقوں میں خندقیں کھودی گئیں اور دیگر فوجی تنصیبات نصب کی گئیں[1] آمدورفت کے لئے کابل سے ہرات تک پکی سڑکیں بھی تعمیر کی گئیں اور یہ سلسلہ ۱۹۱۱ تک جاری رہا

ہزارہ جات میں متعین حکومتی اہلکار علاقے کے آمر کی حیثیت رکھتے تھے اور ان سے باز پرس شاذونادر ہی ہوتی جس کی وجہ سے وہ اپنے اختیارات سے بھرپور ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ان کا واحد مقصد یہی ہوتا تھا کہ ہزارہ قوم کے وسائل سے اپنی جیبیں پر کریں[2] اگر کبھی کابل حکومت کو کسی حاکم کے خلاف کوئی شکایت ارسال کی جاتی تو شکایت کنندہ خود اپنے علاقے کے حاکم کے عتاب کا نشانہ بنتا اور اسے قید کر کے سخت سزائیں دی جاتیں امراء جن کا شمار ہزارہ جات کے حاکم طبقات میں ہوتا تھا مکمل طور پر نابود ہو گئے مسلح افراد پر مشتمل ان کے معاونین بھی ختم ہو گئے کسی قبیلے کے میر کی وفات کے

---

[1] کلیات ریاضی صفحہ ۲۷۹

[2] مئی ۱۸۹۶ کے دوران جاغوری کے عوام نے امیر عبدالرحمان کو لکھا کہ حاکم۔ قاضی اور مفتی خدا۔ رسول اور امیر اسلام کی طرف سے عائد کردہ فرائض کو اکثر بھول چکے ہیں حتی کہ وہ اس قسم کو بھی فراموش کر چکے ہیں جو انہوں نے اپنے فرائض انجام دینے سے پہلے کھائی تھی وہ یہاں کی محتاج۔ فقیر اور غریب رعایا پر بہت جور و ستم کرتے ہیں (سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۱۲۰۳)

بعد ان کی اولاد کو منتقل ہونے والی امارت کے موروثی حق کو بھی مکمل طور پر ختم کر دیا گیا ہزارہ قوم کو اپنی مرضی کا قریہ دار منتخب کرنے کے حق سے بھی محروم کر دیا گیا الغرض ان سے موروثی امارت اور قریہ دار کے انتخاب کے حقوق مکمل طور پر چھین لئے گئے اگر کبھی کسی حکومتی اہلکار کو قانون شکنی کے الزام میں کابل طلب کیا جاتا تو وہ ذاتی تعلقات کی بناء پر اعلی حکومتی اہلکاروں سے سفارش کروا کر نہ صرف اپنی سزا معاف کرواتا بلکہ دوبارہ اپنے عہدے پر بھی بحال ہوتا[1] تمام چھوٹے رہائشی علاقوں پر دو دو فوجی افسر تمام امور کے نگران کی حیثیت سے مامور ہوتے۔ اسکے ساتھ ہزارہ جات کے مذہبی طبقے کی نابودی کے لئے بھی اقدامات کا سلسلہ شروع کیا گیا کیونکہ وہاں علماء ابھی تک اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے تھے حالانکہ بے پناہ ظلم اور قتل و غارت کی وجہ سے ہزارہ علماء کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی اور معاشرے میں ان کی سابقہ حیثیت میں بھی کافی کمی آئی تھی حتیٰ کہ ان کی زمینیں بھی بحق سرکار ضبط کر لی گئی تھیں شیعہ علماء کو نابود کرنے کی خاطر اس بات کی ہر ممکن کوشش کی گئی کہ ہزارہ قوم کو سنی مذہب اختیار کرنے پر مجبور کر دیا جائے مثلاً دی زنگی میں سنی عقیدے کے مطابق کئی مساجد تعمیر کی گئیں جن کا نگران قاضی عبدالقیوم خان کو مقرر کیا گیا وہاں ہزارہ قوم کو سنی عقیدے کے مطابق تعلیم دی جانے لگی بعض دینی امور بھی سنی عقیدے کے مطابق حل کئے جاتے[2] مقبوضہ علاقوں کی سرسبز زمینوں اور چراگاہوں کو استعماری افغان مہاجروں[3] اور خانہ بدوشوں (کوچیوں) کے ہاتھ

---

[1] مثال کے طور پر حاکم مالستان غلام محمد اللہ خان کے ساتھ یہی ہوا اسے اگرچہ ناانصافی اور ظلم کا مجرم قرار دیا گیا لیکن اسے اس کے عہدے سے برطرف نہیں کیا گیا عموماً قتل کے مقدموں میں بھی انصاف سے کام نہیں لیا جاتا تھا اور یہی بہانہ کیا جاتا تھا کہ قاتل بھاگ گیا ہے (سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۹۲۵-۹۲۶-۹۶۹-۹۷۰-۹۸۸-۱۱۳۲۔

[2] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۱۶۵۔

[3] افغان خانہ بدوشوں کی ہزارہ جات میں منتقلی کے نتیجے میں ایک نئی نسل وجود میں آئی جسے افغان ہزارہ کہتے ہیں اور جو جنوبی افغانستان میں بود و باش رکھتے ہیں (کلیات ریاضی صفحہ ۲۹۶ - سراج التواریخ صفحہ ۸۲۹ - ۹۸۷ - اور ۱۱۲۳۔ مرکزی افغانستان میں تجارت اور خانہ بدوشی صفحہ ۱۲۸ - ۱۲۹ اور ہزارہ ثقافت صفحہ ۱۶۔ ۲۰-۹)

فروخت کر دیا گیا

افغان خانہ بدوش ہزارہ قوم کی آمدنی اور ان کی فصلوں کو بہت نقصان پہنچاتے تھے ان کے مویشی ہزارہ قوم کی زرعی زمینوں کو روند ڈالتے اور ان کی فصلوں کو کھا جاتے تھے اگر وہ اپنی زمینوں اور فصلوں کی حفاظت کی کوشش کرتے تو خانہ بدوش ان کو قتل کرنے کی خاطر اٹھ کھڑے ہوتے علاقے کے حکام ان خانہ بدوشوں کے مظالم کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے لیکن انہیں روکنے کے بجائے انہیں مزید اکساتے اور ان کے مظالم میں ان کا بھرپور ساتھ دیتے تھے فصلوں کو تباہ کرنے کی صورت میں ان خانہ بدوشوں سے کوئی جرمانہ وصول نہ کیا جاتا بلکہ اس کے برعکس علاقے کے حکام کو دی جانے والی رشوت کے عوض ان کو یہ اجازت حاصل تھی کہ وہ ہزارہ رعایا کی زیر کاشت زمینوں پر اپنے مال مویشی چرائیں[1] جس کے بعد افغان خانہ بدوشوں نے ہزارہ جات کی زرعی زمینوں کو بتدریج اپنے مویشیوں کی چراگاہوں میں تبدیل کرنا شروع کر دیا اس طرح خانہ بدوشوں نے دی زنگی۔ دی کنڈی۔ ناہور۔ مالستان اور جاغوری کی تمام سرسبز زمینوں اور چراگاہوں پر قبضہ کر کے وہاں کے عوام کو پرمشقت اور مشکل زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا[2] ان تمام مظالم کی وجہ سے ہزارہ جات میں زراعت کو بہت نقصان پہنچا کیونکہ ہزارہ عوام میں نہ توان زمینوں پر کاشتکاری کی سکت رہ گئی تھی اور نہ ہی وہ اپنے مویشیوں کی دیکھ بھال اور حفاظت کر سکتے تھے وہ ہر طرف سے نقصان اور شکست سے دوچار تھے اس طرح زراعت بھی ایک شدید بحران سے دوچار ہو گئی تھی بالآخر زمامداران حکومت ہزارہ جات کے معاشی بحران کی طرف متوجہ ہوئے

۹۷-۱۸۹۶ کے دوران ہزارہ جات کی معاشی حالت کو سہارا دینے کی خاطر کئی اقدامات کئے گئے جن کے بعد دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کرنے والے

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۹۲۵-۹۲۶-۹۳۴-۱۰۲۱-۱۰۳۱-۱۱۰۰-۱۲۲۷-۱۲۳۳

[2] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۱۱۰۰

بھی اپنی زمینوں پر واپس آگئے اور دوبارہ کاشتکاری میں مشغول ہوئے مذکورہ حالات نے ہزارہ جات کی صنعتوں کو بھی بہت نقصان پہنچایا کئی صنعتیں تو مکمل طور پر نابود ہو گئیں مثلاً لوہار مکمل طور پر ختم ہو گئے ہزارہ عوام گھوڑوں کی افزائش اسلحے کی تیاری اور ملکیت کے حق سے بالکل محروم کر دیے گئے تھے لہذا صنعتی شعبوں میں ہزارہ ہنرمندوں کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی[1] ہزارہ جات کی جنگوں کے بعد ہزارہ قوم کی آبادی میں بھی بہت کمی آئی تھی مثلاً یکاولنگ کے سترہ سو گھرانوں میں صرف سات سو گھرانے باقی بچے تھے باوثوق ذرائع کی رو سے ۹۳-۱۸۹۲ کی شورش سے قبل بہسود قبیلہ ۲۰ ہزار گھرانوں پر مشتمل تھا لیکن شورش کی ناکامی کے بعد (اگست ۱۸۹۴ میں جاری کئے گئے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق) ان کی تعداد کم ہو کر چھ ہزار چار سو گھرانوں تک پہنچ گئی یعنی بہسود قبیلے کی تقریباً ۶۸ فی صد آبادی ان شورشوں میں کام آئی یاد رہے کہ دیگر ہزارہ قبائل کی بدولت بہسود قبیلے نے جنگوں میں بہت کم حصہ لیا تھا ہزارہ جات کے دیگر علاقوں کی آبادی میں تو بہت کمی واقع ہوئی تھی ہزارہ جات کی معاشی اور معاشرتی حالت انتہائی دگرگوں اور قابل رحم تھی اور افغانستان کے دیگر علاقوں کی نسبت ہزارہ قوم کی معاشی اور معاشرتی حالت انتہائی خراب تھی کیونکہ ہر قسم کے مالیات (جو افغانستان کے تمام باشندوں پر واجب تھے) کے علاوہ ہزارہ عوام سے مویشیوں پر بھی زکواۃ اور مالیہ وصول کیا جاتا تھا

اسی طرح ہزارہ عوام علاقے کی تمام زرعی اور غیر زرعی زمینوں پر مالیہ ادا کرنے پر مجبور تھے مالیات کی مقدار اور نوعیت ہرگز متعین نہیں تھی زمینوں کی حدود کی انتہائی باریک بینی سے پیمائش کی جاتی چنانچہ ۱۹۰۱ کے بعد ہزارہ عوام اپنی زمینوں پر ۱۵ فیصد مالیہ دینے پر مجبور ہوئے غزنی کے عوام تو معمول سے بہت زیادہ یعنی تقریباً ایک لاکھ چون ہزار سات سو انسٹھ روپے سالانہ حکومتی خزانے میں دینے کے پابند تھے ان سنگین مالیات کی وصولی کے علاوہ حکومت کی ہمیشہ یہ

---

[1] امیر اور میری ذمہ داریاں صفحہ ۲۱۲

کوشش ہوتی کہ ان مالیات کو بھی حکومتی خزانے میں جمع کرے جو علاقے کے لوگ اپنے امراء کو دیا کرتے تھے[1] ۱۸۹۷ء میں ان پر کئی اور مالیے بھی عائد کئے گئے ان میں سے ایک کا نام "زندگی پر مالیہ تھا مذکورہ مالیہ کے نام پر ہر شخص سے سالانہ ۲ قِران جمع کیا جاتا تھا جو ۱۹۰۱ء تک ۴ قِران فی شخص تک پہنچ گیا اسی طرح ہر خاندان سالانہ دو روپے فی خاندان کے حساب سے خاندان پر مالیہ ادا کرنے پر بھی مجبور تھا اس کے علاوہ ہر خاندان سے ۹ روپے سالانہ کے حساب سے ایک اور مالیہ بھی وصول کیا جاتا جس سے ہلاک ہونے والے حکومتی فوجیوں کے پسماندگان کی کفالت کی جاتی تھی

ہزارہ جات کی معاشی حالت کو بڑا نقصان ان حکومتی افواج کے اخراجات سے بھی پہنچا جو ہر سال مالیات کی وصولی کی خاطر ہزارہ جات آتیں تو نہ صرف اپنے تمام اخراجات وہاں کے عوام سے وصول کرتیں بلکہ انکے گھوڑوں ان کی زینیں اور رہائش کا اہتمام بھی علاقے کے عوام کو کرنا ہوتا مذکورہ مالیات کی ادائیگی کی ایک مثال غزنی کے عوام کی ہے جو سالانہ ۹۹۷۵۵ روپے حکومت کو ادا کرتے تھے[2] ان تمام مالیات کے علاوہ ہزارہ عوام کو اکثر و بیشتر کمر شکن جرمانہ بھی ادا کرنا پڑتا جو مختلف حیلوں اور بہانوں سے ان پر عائد کئے جاتے مذکورہ مالیات اور جرمانے ان سے انتہائی ظلم اور جور کے ساتھ وصول کئے جاتے اس سلسلے میں حکومتی اہلکار فوجی دستوں کی معیت میں ہزارہ جات میں داخل ہوتے اور مالیات کے علاوہ بھی ہر ممکنہ شے عوام سے زبردستی چھین لیتے ہر طرف رشوت ستانی کا بازار گرم ہوگیا تھا چونکہ عوام ان مالیات کی یک مشت ادائیگی سے یکسر قاصر تھے لہذا مالیات قسطوں میں ادا کرنے پر مجبور تھے اور اس بات پر حکومتی اہلکار بھی رضا مند ہوتے جب انہیں رشوت دی جاتی ان مالیات کی عدم ادائیگی کی صورت میں ہزارہ عوام سے سخت مشقت لی جاتی عموماً انہیں سڑکوں اور شاہراہوں کی تعمیر پر مامور کیا جاتا تھا وہ خون پر بھی مالیہ دینے کے پابند تھے

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ [illegible]

[2] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ [illegible]

کیونکہ وہ جبری فوجی ملازمت سے مستثنی نہیں تھے ۔ ۱۸۹۸ کے دوران ہزارہ فوجیوں پر مشتمل صرف ایک ہی دستہ تشکیل دیا گیا لیکن ۱۸۹۹ میں ایسے آٹھ فوجی دستے تشکیل دیئے گئے ہر دستہ سو افراد پر مشتمل ہوتا تھا ۱۹۰۰ میں اس بات کا فیصلہ کیا گیا کہ ہر آٹھ اشخاص میں سے ایک کو فوج میں بھرتی کیا جائے یہ قانون افغانستان کے دیگر علاقوں میں پہلے ہی نافذ تھا یوں آبادی کے ساڑھے بارہ فی صد افراد کو باقاعدہ فوج میں شامل کیا جاتا جبکہ بقیہ سات افراد کو اس شخص کے اسلحے اور دیگر ضروریات کے اہتمام کی ذمہ داری سونپی جاتی بندوق چھ سو قِران کے عوض سرکاری اسلحہ خانے سے مل جاتی تھی بقیہ سات افراد سے سالانہ ۱۹۲ قِران فوج میں بھرتی کئے جانے والے شخص کے اخراجات کے سلسلے میں وصول کئے جاتے اگر کسی وجہ سے مذکورہ فوجی اپنے تین سال مکمل نہ کر پاتا یعنی اگر اس کی موت واقع ہو جاتی تو اس کی تمام خدمات اکارت جاتیں اور اس کی باقی ماندہ مدت ملازمت کی تکمیل کے لئے ان سات آدمیوں میں سے کسی دوسرے شخص کو زبردستی فوج میں بھرتی کیا جاتا تھا فوج میں جبری بھرتی کے دوران بھی ہزارہ عوام پر انتہائی مظالم ڈھائے جاتے ان سے عموماً خندقوں کی کھدائی اور بار برداری جیسے مشکل کام لئے جاتے[1] ہزارہ عوام سے وصول کئے جانے والے مالیات اور جرمانوں کی مقدار بہت زیادہ اور کمر شکن تھی (رشوت وغیرہ ان کے علاوہ تھی) اس سلسلے میں مندرجہ ذیل حقائق کا تذکرہ ضروری ہے

گزشتہ سالوں کے واجب الادا مالیات کے علاوہ نئے مالیات کی ادائیگی کے لئے ہزارہ عوام کے پاس اسکے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو فروخت کریں اس طرح ان کے بیوی بچے غلام اور کنیز میں تبدیل ہو گئے یہ تمام کام ۱۳۱۱ ہجری بمطابق مارچ ۱۸۹۴ کے دوران امیر کابل کے فرمان اور احکامات کی رو سے قانونی حیثیت اختیار کر گئے تھے غلاموں اور کنیزوں

---

[1] کلیات ریاضی صفحہ ۳۰۵ اور مستقبل کا افغانستان صفحہ ۸۴

کی فروخت سے حاصل ہونے والی آمدنی حکومتی خزانے میں جمع کر دی جاتی ہزارہ جات میں بردہ فروشی اپنے عروج کو پہنچ گئی تھی جن کا حکومتی ذرائع میں بھی درج ذیل انداز میں ذکر ہوا ہے

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے شروع میں صرف قندھار میں ہزارہ غلاموں اور کنیزوں کی خرید و فروخت سے حکومت کو سالانہ ۶۰ سے ۷۰ ہزار روپے کی آمدنی ہوئی یعنی قندھار اور اس کے اطراف میں مجموعی طور پر حکومت کو ۶ سے ۷ لاکھ کا منافع ہوا۔ ایک غلام یا کنیز کی قیمت ۶۰ سے ۱۲۰ روپے تک وصول کی جاتی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف قندھار میں ہر سال ۷۰۰ غلام اور کنیزیں فروخت کی جاتیں[1]۔ ۹۳-۱۸۹۲ کی تحریکوں کی ناکامی۔ اس کے بعد کی دشوار زندگی اور قانونی حقوق کے سلب ہونے کے باوجود ہزارہ قوم نے مختلف شکلوں میں اپنی جدوجہد جاری رکھی ہزاروں کی تعداد میں لوگ اپنے آباواجداد کی مٹی کو چھوڑ کر افغانستان سے باہر ہجرت کرنے لگے اس کے علاوہ انہوں نے کابل حکومت کے خلاف اپنی مزاحمت کسی نہ کسی شکل میں جاری رکھی

۱۸۹۹ء کے آغاز میں جب عبدالرحمان کے فوت ہونے کی خبر ہزارہ جات پہنچی تو وہاں کے مختلف علاقوں میں ایک بار پھر عوام نے علم بغاوت بلند کیا لیکن لوگ اس وقت جلد ہی مایوس ہو گئے جب یہ خبر جھوٹی ثابت ہوئی لیکن دسمبر ۱۹۰۰ء میں اورزگان میں دوبارہ قومی بغاوت کا آغاز ہوا اس جدید شورش کو کچلنے کی خاطر علاقے میں متعین چار فوجی دستوں کی کمک کے لئے مزید ۴۰۰ فوجی دستے علاقے میں بھیجے گئے جو چار توپخانوں سے بھی مزین تھے کچھ عرصے بعد ۶۰۰ افراد پر مشتمل ایک امدادی فوج بھی روانہ کر دی گئی مذکورہ شورش اور لڑائی کے بارے میں مزید معلومات دستیاب نہیں لیکن بعض ایسے شواہد موجود ہیں جن کی رو سے علاقے کی تمام زمینیں بحق سرکار ضبط کر لی گئیں جو بعد میں افغان استعمار گروں میں تقسیم کر دی گئیں تقریباً تین سو پچاس ہزارہ خاندان جان

---

[1] سراج التواریخ جلد ۳ صفحہ ۹۶۹-۹۸۹-۱۱۱۶-۱۱۳۲-۱۲۲۶-۱۲۲۸ اور افغانستان صفحہ ۵۲

چا کر ایران کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے کابل حکومت نے شورش کو کچلنے کے بعد بعض ایسے اقدامات کئے جن سے ہزارہ جات میں حکومت کو زیادہ استحکام ملا مثلاً کابل بھیجے جانے والے ہزارہ امراء اور دیگر راہنما امیر کابل کے لطف وعنایات کے مستحق قرار پائے اور انہیں بیش بہا عطیات سے نوازا گیا حتیٰ کہ بعض افراد کو ہزارہ جات واپس جانے کی اجازت بھی دے دی گئی اس طرح وہاں سے کئی افغان فوجی دستوں کو بھی واپس کابل بلایا گیا اور اس کے بدلے ہزارہ جات میں صرف دو پیدل فوجی گروہوں کو تعینات رکھا گیا جو ہزارہ فوجیوں پر مشتمل تھے ہزارہ جات سے ہجرت کرنے والے ہزارہ مہاجرین کو بھی اس بات کی اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنی زمینوں پر واپس آجائیں اس کے علاوہ وہ تمام زمینیں جو ان سے چھینی گئی تھیں انہیں واپس دینے کا بھی اعلان کیا گیا تاکہ وہ دوبارہ ان پر کاشتکاری کر سکیں یہ اعلان بھی کیا گیا کہ آئندہ ہزارہ عوام اپنے ارباب اور دیگر نمائندوں کا بھی خود انتخاب کر سکیں گے لیکن مذکورہ اعلانات کا کوئی فائدہ نہیں ہوا کیونکہ ہزارہ قوم کے کابل حکومت سے اختلافات ابھی ختم نہیں ہونے تھے لہذا ہزارہ جات میں متعین حکومتی افواج کے گروہوں میں بھی جو ہزارہ فوجیوں پر مشتمل تھے ۱۹۰۱ء کے دوران کئی بغاوتیں ہوئیں کیونکہ وہ بھی مسلح جدوجہد کی خواہش رکھتے تھے

ہزارہ جات میں حکومت کے خلاف ۱۹۰۳ - ۱۹۰۸ - ۱۹۰۹ اور ۱۹۱۴ میں بھی بغاوتیں ہوئیں لیکن کیونکہ ان میں ۹۳-۱۸۹۲ والی توانائی نہیں تھی اس لئے انہیں آسانی سے ناکام بنا دیا گیا ان تحریکوں کی پے در پے ناکامیوں کی وجہ سے ہزارہ عوام دل برداشتہ ہوگئے اور گروہوں کی صورت میں افغانستان سے باہر ان کی مہاجرت میں تیزی آگئی

اختتامیہ

ہزارہ قوم کے موجودہ معاشی اور معاشرتی ڈھانچے اور انیسویں صدی کے آواخر اور بیسویں صدی کے اوائل کی ہزارہ قومی تحریکوں کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ افغانستان کی دیگر قوموں کی مانند ہزارہ قوم نے بھی اپنی معاشرتی اقتصادی اور سیاسی خصلتوں اور مخصوص معاشرتی ماحول کی مناسبت سے ارتقائی مراحل طے کئے لیکن اس کے اس ارتقائی سفر کی رفتار تاجکوں کی نسبت قدرے سست اور تاخیر سے عمل میں آئی۔

قدیم اقتصادی نظام کے تسلط اس سے مربوط معاشرتی تعلقات اور مضبوط بنیادوں پر استوار قبائلی روایات نے ہزارہ قوم اور ان کی سرزمین یعنی ہزارہ جات کو افغانستان کے دیگر علاقوں سے الگ تھلگ رکھا (افغانستان کے شہری علاقوں کے ہزارہ جات پر بہت کم اثرات مرتب ہوئے) اس کے علاوہ بیرونی حملات نے بھی خطے کی پیداواری قوتوں کی نابودی میں اہم کردار ادا کیا

کابل حکومت کی ہمیشہ سے یہی خواہش رہی کہ ہزارہ جات کو اپنی قلمرو سلطنت میں شامل کرلے اس مقصد کے لئے اس نے جو حکمت عملی اختیار کی وہ انتہائی جارحانہ تھی لہذا اس نے مرکزی حکومت کو توسیع دینے اور افغانستان کو مستحکم کرنے کی خاطر علاقے کے جاگیرداروں اور چھوٹے زمینداروں کا مکمل خاتمہ کردیا ہزارہ جات کا افغانستان کے ساتھ الحاق کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہزارہ امراء کے درمیان ہونے والی لڑائیوں اور خانہ جنگیوں کا خاتمہ ہوا اس کے علاوہ ہزارہ جات جو پہلے سب سے الگ تھلگ تھا اس کے روابط صنعتی اور اقتصادی لحاظ سے ترقی یافتہ مراکز سے استوار ہوئے لیکن مرکزی حکومت نے جدید طرز کے پروگراموں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جو حکمت عملی اختیار کی وہ اس وقت (۱۹ویں صدی کے اواخر) کے حالات کے باعث کامیابی سے ہمکنار ہونے کی بجائے بری طرح ناکام ہوئی ہزارہ جاگیرداروں اور چھوٹے زمینداروں کے مکمل خاتمے

کے ساتھ ہی مالیے کی شرح میں غیر معمولی اضافہ ہوا لوگوں سے ان کی دولت چھیننا سرکاری اہلکاروں کے روزمرہ کا معمول بن گیا اس کے ساتھ ہی ہزارہ جات میں متعین فوجی افسروں نے وہاں کے عوام پر ظلم و ستم کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کیا اس ظلم و ستم اور لوٹ کھسوٹ میں ان سرکاری اہلکاروں نے بھی بھرپور ساتھ دیا جو کابل حکومت کی طرف سے ہزارہ جات میں تعینات کئے گئے تھے لہذا ہزارہ جاگیرداروں اور امراء کے خاتمے کے بعد بھی ہزارہ قوم کی حالت نہ بدلی اور نہ ہی وہ خوشحالی آسکی جو کہ حاکم طبقے کی نابودی کے بعد آنی چاہیئے تھی ہزارہ قوم کی مسلح تحریکیں افغانستان کی مخصوص سیاسی اقتصادی اور معاشرتی صورت حال کے پس منظر میں انیسویں صدی کی آخری چوتھائی کے دوران برپا ہوئیں۔ موجودہ اسناد اور دستاویزات کی روشنی میں روسی محققین ایسی کوئی حتمی رائے قائم کرنے سے قاصر ہیں کہ ہزارہ عوام کی جدوجہد ان کے جاگیرداروں کے خلاف تھی اس طرح ان دستاویزات کی مدد سے ان تحریکوں کی تاریخ اور ان کے حقیقی خدوخال بھی واضح نہیں کئے جا سکتے کیونکہ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جاچکا ہے کہ موجودہ تاریخی اسناد اور دستاویزات سے اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان تحریکوں کی ماہیت عوامی تھی اگرچہ ان تحریکوں کی قیادت امراء اور جاگیردار طبقے کے ہاتھوں میں تھی لیکن اس کے باوجود ان تحریکوں میں سب سے فعال کردار ہزارہ کسانوں اور خانہ بدوشوں نے ادا کیا لہذا ہزارہ قوم کی یہ تحریکیں ترقی پسندانہ ماہیت کی حامل تھیں متذکرہ تحریکیں جاگیرداروں کے مظالم کے خلاف اٹھیں لیکن جزوی طور پر یہ تحریکیں جاگیردارانہ اثرات کی بھی حامل نظر آتی ہیں عبدالرحمان نے ان تحریکوں کو کچلنے کے لئے انتہائی بے رحمی کا مظاہرہ کیا جس کے باعث ہزارہ قوم کے اقتصادی سیاسی معاشرتی اور مذہبی روابط میں عظیم تبدیلیاں رونما ہوئیں اور تقسیم اراضی کی قدیم روایات جو طائفوں اور قبیلوں کی بنیادوں پر استوار تھیں کا مکمل خاتمہ ہوا جاگیردار اور دیگر حاکم طبقات کا بھی مکمل خاتمہ ہوا (کیونکہ یا تو ان کا

اجتماعی قتل عام کیا گیا یا انہیں دوسرے علاقوں اور بیرون ملک ہجرت پر مجبور کر دیا گیا) بعض ہزارہ قبائل مثلاً زاولی سلطان احمد اور اجرستان وغیرہ مکمل طور پر نابود ہو گئے اس طرح بمرور زمان ہزارہ قوم کے معاشرتی قبائلی اور طائفوی روابط کمزور ہوتے گئے جس کے بعد باہمی آمیزش اور اختلاط کے نتیجے میں افغان ہزارہ کے نام سے ایک نئی نسل وجود میں آئی جو ہزارہ قوم کے نسلی روابط میں ایک بہت بڑی تبدیلی کی حیثیت رکھتی ہے ہزارہ آبادی کی بیرون ملک اجتماعی مہاجرتوں کے سبب ان کی آبادی مرکزی ایشیاء کے مختلف حصوں میں تقسیم ہونے لگی ایران اور برطانوی ہندوستان (بلوچستان اور روس سے متصل دیگر علاقوں) میں ہزارہ مہاجرین کی بستیاں آباد ہونے لگیں[1]

ہزارہ قوم کی عوامی تحریکوں کو گرچہ بڑی بے دردی سے کچل دیا گیا لیکن انکی مسلسل جدوجہد نے امیر کابل کو اس امر پر مجبور کر دیا کہ وہ ہزارہ جات سے متعلق اپنی پالیسیوں میں نرمی پیدا کرے اس ضمن میں مالیات کی جمع آوری کی شرائط نرم کر دی گئیں نیز ہزارہ جات کے متعلقہ تمام امور مقامی افراد کے سپرد کئے گئے تاکہ ان کی اکثریت کابل حکومت کی وفادار رہے بعض ہزارہ خاندانوں کو ان کی زرعی اور آبائی زمینوں پر بسنے کی دوبارہ اجازت ملی نیز ان ہزارہ بزرگوں اور امراء کی وطن واپسی کے سلسلے میں بھی متعدد اقدامات کئے گئے جو بیرون مملک ہجرت کر گئے تھے تاکہ ان کی مدد سے ہزارہ عوام کی تائید حاصل کی جا سکے اس سلسلے میں ۱۷ دسمبر ۱۹۰۴ کو حکومت کی طرف سے عام معافی کا اعلان کیا گیا جس کی رو سے ۱۹ ویں صدی کے آواخر میں عوامی تحریکوں میں حصہ لینے والے تمام افراد کو عام معافی دے دی گئی اس کے علاوہ ان امراء کو بھی اپنی زمینوں پر دوبارہ آباد ہونے کی اجازت مل گئی جنہیں جلال آباد اور بگرام میں منتقل کیا گیا تھا انکی زمینیں اور دیگر املاک بھی ان کو واپس دے دی گئیں لیکن انہیں جو

---

[1] یہ امر قابل ذکر ہے کہ انیسویں صدی کے اواخر میں افغانستان کے ہمسایہ ممالک میں ہزارہ آباد نہیں تھے۔ صرف ایران میں تقریباً سات ہزار ہزارہ خاندان رہائش پذیر تھے جن میں سے تین ہزار خاندان ۱۸۵۷ کے بعد ایران ہجرت کر گئے

طاقت اور حیثیت پہلے حاصل تھی وہ دوبارہ کبھی حاصل نہ ہو سکی اس طرح مالیات کی وصولی کے سلسلے میں بھی ان سے کوئی نرمی نہیں برتی گئی حکومت نے ایسے افراد سے جن کی زرعی زمینیں چھین کر پشتونوں کے حوالے کی گئیں تھیں وعدہ کیا کہ انہیں ملک کے دیگر علاقوں میں زمینیں دی جائیں گی حکومت نے انتظامی لحاظ سے بھی ہزارہ جات میں نرمی کی[1] جن کے نتیجے میں ۵ - ۱۹۰۴ کے سالوں میں ایران سے پانچ ہزار ہزارہ خاندان وطن واپس آئے لیکن اس کے باوجود تقریباً چار ہزار خاندان وہاں باقی رہے[2] - ۱۹۱۱ کے دوران ایران میں تقریباً ایک لاکھ ہزارہ بودوباش رکھتے تھے وہ اس لئے بھی واپس وطن نہیں لوٹے کہ ہزارہ امراء جو بیرون ملک جاکر آباد ہو گئے تھے ان کو امیر کابل کے وعدوں پر اعتبار نہیں تھا جس کی وجہ سے ان کی پیروی کرتے ہوئے دیگر بہت سے لوگ بھی وطن واپس نہیں لوٹے شائد ان کی وطن واپسی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ انیسویں صدی کی آخری دہائی کی وہ ناانصافیاں اور مظالم تھے جو ان پر روا رکھے گئے یہاں اس امر کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ ۱۹۱۳ تک وہ ہزارہ مہاجر جو ایران اور روسی ترکستان میں پناہ گزیں ہوئے تھے مالیہ دینے سے مستثنیٰ تھے[3] ریچکو کے مطابق ہزارہ مہاجرین کی وہ تعداد بھی جو برطانوی ہندوستان میں آباد ہوئی وطن واپس نہیں لوٹی

---

[1] مرکزی حکومت نے ہزارہ جات کا نظم و نسق مقامی افراد کے سپرد کیا اس طرح ہزارہ جات کو ایک نیم خود مختار حیثیت حاصل ہو گئی لیکن جغرافیائی اعتبار سے ہزارہ جات کو ہرات۔ مزار شریف اور قندھار کے ساتھ مربوط کر دیا گیا

[2] وطن لوٹنے والے ہزارہ خاندان کو ہرات کے دیہی اور ترکستان کے جنوبی علاقوں میں آباد کیا گیا۔ مذکورہ خاندانوں کو حکومت کی طرف سے بیلوں کی ایک جوڑی ایک عدد ہل۔ ایک گدھا۔ گھر بنانے کے لئے چار عدد تراشی ہوئی لکڑیاں۔ کاشتکاری کے لئے کچھ گندم اور اشیائے خورد و نوش دی گئیں اس کے علاوہ انہیں تین سے سات سال تک مالیہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ متمول خاندانوں کو مناسب قیمت پر نئی زرعی زمینیں خریدنے کی اجازت دی گئی۔ لیکن عام افراد کو زمنیں حکومت کی جانب سے اجارے میں ملیں

[3] ۱۹۰۳ میں حکومت ایران کی طرف سے حکم جاری ہوا کہ ہزارہ مہاجرین بھی ملک کے عام قوانین کے مطابق ٹیکس وغیرہ ادا کریں۔ اس حکم نامے کے نتیجے میں افغانستان لوٹنے والے ہزارہ باشندوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔

کتابیات

۱۔ مارکس — سرمایہ جلد ۳
۲۔ مارکس — زاسولیچ کے نام خطوط (مجموعہ مقالات جلد ۱۹)
۳۔ مارکس — سرمایہ دارانہ نظام سے قبل کے نظام (ماسکو ۱۹۴۰)
۴۔ اینگلز — اینٹی ڈیورنگ (مجموعہ مقالات جلد ۲۰)
۵۔ اینگلز — افغانستان (مجموعہ مقالات جلد ۱۴)
۶۔ لینن — روس میں سرمایہ داری کی ابتداء مجموعہ مقالات جلد ۳
۷۔ لینن — سوشلزم اور جنگ (مجموعہ مقالات جلد ۲۶)
۸۔ لینن — انارکزم کا خاکہ (مجموعہ مقالات جلد ۳۰)
۹۔ روسی مرکزی آرکائیو — (فوجی تاریخ حصہ افغانستان)
۱۰۔ روسی مرکزی آرکائیو — وسطی ایشیاء میں جنگی کاروائیاں
۱۱۔ روسی مرکزی آرکائیو — (جنگی علوم)
۱۲۔ روسی مرکزی آرکائیو — جنگ کے اہم عناصر
۱۳۔ روسی مرکزی آرکائیو — (جنگ کے اہم عناصر حصہ ترکستان)
۱۴۔ روس کی خارجہ پالیسی — (آرکائیو)
۱۵۔ روس کی خارجہ پالیسی — (وسطی ایشیاء)
۱۶۔ روس کی خارجہ پالیسی — (وسطی ایشیاء حصہ ب)
۱۷۔ عبدالرزاق سمرقندی — (مطلع السعدین و مجمع البحرین (روسی ترجمہ)
۱۸۔ ابوالفضل — آئین اکبری (انگریزی ترجمہ کلکتہ ۱۸۷۳)

۱۹۔ ظہیر الدین بابر	بابر نامہ (ترجمہ)
۲۰۔ عطاملک جوینی	تاریخ جہان گشا ۱۔۲ (تہران ۱۹۸۵)
۲۱۔ جوزجانی	طبقات ناصری (انگریزی ترجمہ کلکتہ ۱۸۶۴)
۲۲۔ مرزا محمد حیدر	تاریخ رشیدی (انگریزی ترجمہ لندن ۱۸۵۸)
۲۳۔ نعمت اللہ گنڈاپوری	مخزن افغان (انگریزی ترجمہ لندن ۱۸۲۱۔۱۸۲۶)
۲۴۔ امین احمد رازی	ہفت اقلیم ۱۔۲ (تہران ۱۹۰۹۔۱۹۰۲)
۲۵۔ رشید الدین فضل اللہ	جامع التواریخ ۱۔۳ روسی ترجمہ ماسکو (۴۶۔۱۹۶۰)
۲۶۔ سیف ہروی	تاریخ نامہ ہرات (انگریزی ترجمہ کلکتہ ۱۹۴۴)
۲۷۔ سکندر خان ترکمن	تاریخ امرائی عباسی (تہران ۱۹۱۶
۲۸۔ حافظ ابرو	جامع التواریخ
۲۹۔ شرف الدین علی	ظفر نامہ (کلکتہ ۱۸۸۷۔۱۸۸۸)
۳۰۔ آخوند میر	حبیب اسیر (تہران ۱۹۵۹
۳۱۔ بربری	اطلاعات ترکستان (۱۹۱۱)
۳۲۔ بلاریمبرگ	۱۸۴۱ کے دوران فارس کے بارے میں اعداد و شمار (ماسکو ۱۸۵۳)
۳۳۔ واریگین	کولاب کے امراء کی مدح سرائی (روس ۱۹۱۶ء)
۳۴۔ کایفسکی	امراء گورگان کی ریاستیں (روس ۱۹۱۹ء
۳۵۔ گالوشگا	افغانستان کے مہاجر (روس ۱۹۰۴ء)
۳۶۔ گرودیکوف	سمرقند سے ہرات کا سفر (روس ۱۸۸۳ء)
۳۷۔ گرودیکوف	افغانستان (روس ۱۸۸۰ء)
۳۸۔ لوگوفیٹ	وسطی ایشیا کے ممالک (روس ۱۹۰۹ء)
۳۹۔ سترل تمیسکی	مشرقی خراسان کا سفر (روس ۱۸۹۰۔۱۸۹۱ء)
۴۰۔ تارنوفسکی	باد غیس اور پنجدہ
۴۱۔ یاورسکی (سفارتکار)	افغانستان اور بخارا کے درباروں کی سیر (۷۸۔۱۸۷۹ء
۴۲۔ یاورسکی	کابل میں روسی مشن ۷۹۔۱۹۷۸ء (روس ۱۸۸۱ء)

۴۳۔ برنس	سفر کی یادداشتیں ۲۸۔۱۸۳۶ء (ماسکو ۱۸۴۷ء)
۴۴۔ برنس	بخارا کا سفر، سفر ۱۔۲ ماسکو (۱۸۴۹ء)
۴۵۔ ویمبری	وسطی ایشیا کی سیر (۱۸۹۵)
۴۶۔ ویمبری	ہرات اور اس کے باشندے
۴۷۔ ہیملٹن	افغانستان روسی ترجمہ ۱۹۱۸
۴۸۔ ریچکو	افغان امیر کی خدمت میں (روسی ترجمہ ماسکو ۱۹۳۵ء)
۴۹۔ ڈاکٹر لارڈ	خوانین قندوز ۱۸۳۸ء (روس ۱۸۸۵)
۵۰۔ بلیو	افغان سیاسی مشن سے متعلق رپورٹ (۱۸۵۹)
۵۱۔ بریڈفورڈ	غلجائیوں کی سرزمین سے متعلق رپورٹ (لندن ۱۸۸۵)
۵۲۔ بورسلیم	ترکستان پر ایک نظر (لندن ۱۸۴۶ء)
۵۳۔ کولونی	بامیان اور خیوہ کی سرزمین (کلکتہ ۱۸۵۱ء)
۵۴۔ کولونی	روس کے راستے شمالی ہندوستان کا سفر (لندن ۱۸۳۸)
۵۵۔ الفنسٹن	سلطنت کابل (لندن ۱۸۱۵)
۵۶۔ فیرئیر	افغانستان۔ فارس، ترکستان اور بلوچستان کا سفر (لندن ۱۸۵۶)
۵۷۔ گرے	امیر کے سلسلے میں میری ذمہ داریاں (لندن ۱۸۹۵)
۵۸۔ گریفیث	آسام، برما، بھوٹان، افغانستان اور ان کے قریبی ہمسایوں سے متعلق رپورٹ (کلکتہ ۱۸۴۷)
۵۹۔ بارلان	وسطی ایشیا ۴۱۔۱۸۲۳ (لندن ۱۹۳۹)
۶۰۔ لیچ	متمم احسائیوی ہزارہ (لندن ۱۸۴۵)
۶۱۔ لیمسٹرن	کوہ باباکے آس پاس (لندن ۱۸۸۵)
۶۲۔ چارلس میسن	بلوچستان۔ افغانستان اور پنجاب کے سفر کی روداد ۳۸۔۱۸۲۵ (لندن ۱۸۴۲)
۶۳۔ موہن لال	پنجاب، افغانستان، ترکستان، بلخ بخارا اور ہرات کا سفر (لندن ۱۸۴۶
۶۴۔ موہن لال	امیر دوست محمد خان کی زندگی (لندن ۱۸۴۶)

۶۵۔ مور کرافٹ — ہمالیہ کے راستے ہندوستان اور پنجاب کا سفر (لندن ۱۸۴۱)

۶۶۔ منٹگمری — کابل تا کاشغر کی بغاوت سے متعلق رپورٹ

۶۷۔ جے۔ ووڈ — آمو کے سرچشموں کی سیر (۱۸۷۲)

۶۸۔ عبدالرحمن خان — تاج التواریخ (روسی ترجمہ ۱۹۰۲)

۶۹۔ محمد عظیم بیگ — ہزارستان (روسی ترجمہ تاشقند ۱۸۹۸)

۷۰۔ مارکوپولو — سفرنامہ (ماسکو ۱۹۵۶ء)

۷۱۔ محمد یوسف ریاضی — کلیات ریاضی ۱۹۰۶ء)

۷۲۔ فیض محمد کاتب ہزارہ — سراج التواریخ جلد ۳ (۱۹۱۲۔۱۹۱۶)

۷۳۔ روسی سفارت خانے کی وزارت خارجہ کو رپورٹ (۱۸۹۸)

۷۴۔ ہمارے ہمسائے (۱۸۸۸)

۷۵۔ جنگ کے عناصر (ترکستان ۱۸۹۸ء)

۷۶۔ میک گریگور — وسطی ایشیاء (کلکتہ ۱۸۷۱)

۷۷۔ دائرۃ المعارف اسلامی (لندن ۱۹۲۹)

۷۸۔ — ہندوستان، افغانستان، بلوچستان، پنجاب اور
ان کے ہمسایوں سے متعلق
معلومات (لندن ۱۸۴۸)

۷۹۔ گزیٹر آف انڈیا (لندن ۱۹۰۸ء)

۸۰۔ افغانستان کا جغرافیہ (کابل ۱۸۸۳ء)

۸۱۔ محمد حیات خان — حیات افغانی (لاہور ۱۸۶۷)

۸۲۔ علی اکبر نفیسی — فرہنگ نفیسی (تہران ۱۹۰۱۔۱۹۰۲)

۸۳۔ اریسٹوف — افغانستان (ماسکو ۱۸۹۸)

۸۴۔ آرٹومونوف — افغانستان (۱۸۹۴)

۸۵۔ اخراموچ — جدید افغانستان میں قومیتوں کے مسائل (ماسکو ۱۹۸۳)

۸۶۔ بارٹولڈ — ایران (تاشقند ۱۹۲۶)

۸۷۔ بارٹولڈ — ایران کا تاریخی جغرافیہ (۱۹۰۳)

۸۸ ۔ بارتولڈ	ترکستان کی معاشرتی اور ثقافتی تاریخ (۱۹۲۷)
۸۹ ۔ بارتولڈ	ترکستان (تاشقند ۱۹۶۶)
۹۰ ۔ داویلوف دیوکنج	افغانستان میں زراعت (لنین گراڈ ۱۹۲۹)
۹۱ ۔ ونیوکوف	افغانستان کی سرزمین اور باشندے (ماسکو ۱۸۸۰)
۹۲ ۔ ونیوکوف	روس اور ہندوستان کے درمیان واقع ریاستوں کی سیاسی تاریخ اور اتنوگرافی (ماسکو ۱۸۷۸)
۹۳ ۔ ونیوکوف	ایشیاء میں روس اور انگلستان کے اثر و نفوذ سے آزاد قبائل (۱۸۸۵)
۹۴ ۔ ولادیمرسوف	مغلوں کی خانہ بدوشی اور جاگیردارانہ معاشرہ (لنین گراڈ ۱۹۲۴)
۹۵ ۔ ولادیمرسوف	دایان اور خان کے القاب کے بارے میں (لنین گراڈ ۱۹۲۴)
۹۶ ۔ گانکوفسکی	عظیم سلطنتیں (ماسکو ۱۹۶۷ء)
۹۷ ۔ گانکوفسکی	پاکستان میں تحریکوں کا مسئلہ (ماسکو ۱۹۶۷)
۹۸ ۔ گاریسنگی	تاریخ افغانستان (تاشقند ۱۹۲۳)
۹۹ ۔ غفوروف	۱۹۱۷ء کے بعد تاجک قوم کی تاریخ ۔
۱۰۰ ۔ گافربرگ	ہزارہ (ماسکو ۱۹۵۷ء)
۱۰۱ ۔ گورڈن	انگریزوں کے خلاف افغانستان کی جدوجہد انیسویں صدی کے اواخر میں (ماسکو ۱۹۵۱ء)
۱۰۲ ۔ داویدوف	مرکزی افغانستان میں ہزارہ قوم کی کاشتکاری کا طریقہ (۱۹۶۵ء)
۱۰۳ ۔ وبس	افغانستان میں علم الانسان پر تحقیقات (ماسکو ۱۹۶۵ء)
۱۰۴ ۔ وبس	مرکزی اور مشرقی افغانستان میں علم الانسان پر تحقیقات (ماسکو ۹۶۶)
۱۰۵ ۔ ریفی موف	افغانستان میں ہزارہ کی زبان (یکاولنگی لہجہ) (ماسکو ۱۹۶۵)

۱۰۶۔ کولیو باکین — خراسان سیستان اور کوہستان کی آبادی (روس ۱۸۸۴)
۱۰۷۔ لیوشی تس — مرکزی ایشیاء کی اقوام اور ایرانی زبان (ماسکو ۱۹۶۲)
۱۰۸۔ لوگوفٹ — روس کے زیر اثر خوانین بخارا (۱۹۱۱)
۱۰۹۔ میین — تاریخ افغانستان، ۱۔۲ (ماسکو ۱۹۶۴)
رومودین
۱۱۰۔ میلینکوف — ترمز سے کابل تک (تاشقند ۱۹۰۷)
۱۱۱۔ اورانسکی — ایرانی لہجہ پر ایک نظر (ماسکو ۱۹۶۰)
۱۱۲۔ آچلدیف — بیسویں صدی کے آغاز میں افغانستان کے بعض داخلی اور خارجی مسائل (ماسکو ۱۹۶۳)
۱۱۳۔ پترو شفسکی — تیرھویں اور چودھویں صدی کے دوران ایران میں زراعت (لینن گراڈ ۱۹۶۰)
۱۱۴۔ پوچوفسکی — مغل تاریخ میں جانشینی کے اصول (ماسکو ۱۹۶۰)
۱۱۵۔ ریسنر — آزاد افغانستان (ماسکو ۱۹۲۹)
۱۱۶۔ ریسنر — جاگیردارانہ نظام کی ابتداء اور افغان حکومت کی تشکیل (ماسکو ۱۹۲۵)
۱۱۷۔ ریکملیو — سرزمین اور اقوام (روس ۱۸۸۷)
۱۱۸۔ ریٹر — ایشیائی ممالک کا محل وقوع اور زراعت (روس ۱۸۶۷)
۱۱۹۔ ریٹر — ایران (روس ۱۸۷۴)
۱۲۰۔ سید قاسم رشتیا — افغانستان انیسویں صدی کے دوران (ماسکو ۱۹۵۸)
۱۲۱۔ سیمونوف — عبدالرحمن کا تاشقند سے فرار (ماسکو ۱۹۱۰)
۱۲۲۔ سیمونوف — سراج التواریخ (ترجمہ روسی ۱۹۲۵)
۱۲۳۔ سنی سازیف — افغانستان (ماسکو ۱۹۲۱)
۱۲۴۔ استانفسلی — افغانستان (ماسکو ۱۹۴۰)

۱۲۵۔ خالفین ۱۸۸۳ء کے دوران جنوبی ترکستان میں عیسیٰ خان کی بغاوت اور زار روس کا موقف (تاشقند ۱۹۵۵)

۱۲۶۔ عبدالحئی حبیبی کیا لفظ ہزارہ قدیم ہے؟ آریانا کابل (۱۹۶۸)

۱۲۷۔ بیکن افغانستان میں ہزارہ مغل کی تاریخ پر تحقیق (۱۹۵۱)

۱۲۸۔ بلیو افغانستان اور اس کے باشندے (لندن ۱۸۷۹ء)

۱۲۹۔ بلیو افغانستان میں اتنوگرافی (لندن ۱۸۹۱)

۱۳۰۔ بلیو افغانستان کے قبائل (کلکتہ ۱۸۸۰)

۱۳۱۔ فرڈنینڈ کلاوس مرکزی افغانستان میں زراعت اور خانہ بدوشی (کوپن ہیگن ۱۹۶۲)

۱۳۲۔ فرڈنینڈ کلاوس ہزارہ ثقافت (کوپن ہیگن ۱۹۵۹)

۱۳۳۔ فوشہ تاریخ افغان (لندن ۱۸۵۵)

۱۳۴۔ فشر وسطی ایشیاء اور افغانستان کے مسائل (لندن ۱۸۷۸)

۱۳۴۔ فیلیچر افغانستان (نیویارک ۱۹۶۵)

۱۳۵۔ فوکس افغانستان کا سفر (۱۹۳۷۔ ۳۸) نیویارک ۱۹۴۳

۱۳۶۔ ہوٹسن / بیکن مغربی ہزارہ جات کی معاشرتی اور ثقافتی زندگی (ہوسیکن سین ۱۹۴۱)

۱۴۲۔ احمد علی کہزاد کوہ بابا اور دریائے ہری (کابل ۱۹۵۱)

۱۴۳۔ مک موہن افغانستان دارا سے امان اللہ تک (لندن ۱۹۲۹)

۱۴۴۔ راورٹی بلوچستان کے بعض حصوں اور افغانستان پر ایک نظر (لندن ۱۸۸۰)

۱۴۵۔ رابنسن امارت کابل (لندن ۱۸۷۸)

۱۴۶۔ سائیکس تاریخ افغانستان (لندن ۱۹۴۰)

۱۴۷۔ شیرمن افغانستان کے مغل (۱۹۶۲)

۱۴۸۔ تیسیگر مرکزی افغانستان کے ہزارہ (۱۹۵۵)

۱۴۹۔ ویلبر امیر عبدالرحمن (لندن ۱۸۹۵)

۱۵۰۔ ویلبر افغانستان کی آبادی اور ثقافت (نیوہافن ۱۹۶۲)

۱۵۱۔ یولہ دریائے آمو سے ملحقہ بالائی علاقے